جوکہ بادشاہوں کے دل میں اثر کر جائے اور (بلکہ ہماری ریاضتیں) اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں،
حق سبحانہ وتعالیٰ نے بادشاہوں کو دنیا میں جسم کے اندر روح کی مانند بنایا ہے کہ روح کی درستی جسم ۱۹۳
کی درستی ہے اور روح کا فساد (خرابی) جسم کا فساد ہے، اسی طرح سلاطین کی اصلاح تمام عالم (دنیا) کی
اصلاح ہے (بھلا) کونسا عمل ہے جو اس کی گرد کو پہنچے۔

میرے مکرم! نیکی کے آثار والے شیخ محمد صالح جوکہ مجالس اور معرکوں میں آپ کے ثناگو اور آپ کے اوصافِ جمیلہ کی اشاعت کرنے والے ہیں اور آپ کے اخلاق و احسان کی باتیں سناتے رہتے ہیں چونکہ اُن حدود (یعنی آپ) کی طرف جارہے تھے اپنی ناقابلیتوں کے باوجود دو غیر مربوط کلمات کے ساتھ اپنے آپ کو آپ کے معطر دل میں یاد کرایا اور آپ کے اوقات شریف میں خلل انداز ہوا ہوں، آپ کے افادہ و ارشاد کے ظلال سایہ انداز اور دراز رہیں۔

مکتوب ۷۵

مرزا طاہر بیگ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ ذکر کو کسی غرض کے ساتھ مخلوط نہ کریں اگرچہ مواجید و احوال ہی ہوں

اللہ تعالیٰ اپنے ماسوی کی غلامی سے آزاد کرے اور مدارجِ قرب میں ترقیات عطا فرمائے، مقبول بندہ وہ ہے جو دائمی ذکر کے ساتھ متصف ہو اور ایک لمحہ بھی غفلت اور خواہشِ نفسانی میں مشغول نہ ہو اور ذکر کو اپنی اغراض سے آلودہ نہ کرے اور اخلاص والا ہو بلکہ اپنے احوال و مواجید کا بھی ذکر میں لحاظ و خیال نہ کرے، آیت کریمہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ الآیۃ[1] (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) کے مطابق ضرور اس طرف سے بھی یاد کریں گے، دیکھئے وہ کس طریق پر یاد کرتے ہیں اور کس عطیہ کے ساتھ نوازتے ہیں بلکہ اس وقت میں أَذْكُرْكُمْ (میں تم کو یاد کروں گا) بھی منظور و ملحوظ نہ ہو اور خلوِ سینہ و خلوصِ تمنا کے ساتھ متوجہ و حاضر رہے بلکہ ایسا حضور ہو کہ اس کی ذات بھی درمیان میں نہ ہو اور وہ بھی اپنا سامان عدم کے صحرا کی طرف لے جائے اور حضور خود بخود رونما ہو جائے ؎

این کار دولت ست کنوں تا کرا دہند (یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں)۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلھا و من التسلیمات اکملھا۔

---

[1] سورۃ ۲ آیۃ ۱۵۲

مکتوب ۶

مرزا امان اللہ برہانپوری کے نام سورۂ اخلاص کی تاویل کے بیان میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۵ ع

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است (دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

ہر کہنے والے سے زیادہ معزز ذات (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ کلمۂ ھو گویا غیب ہویت کی ۱۹۳ طرف اشارہ ہے اور اس ذات کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو کہ شیون و اعتبارات سے حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی بلند و معرا ہے اور اللہ سے مراد قابلیتِ اولیٰ اور وحدتِ ذاتیہ ہے جو تجرد اور تمام اوصافِ کمال کے ساتھ متصف ہونے کے خاص اعتبار کے لئے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت ہے اور احد احدیتِ مجردہ سے کنایہ ہے جو کہ صفات و اعتبارات سے مجرد ہونے کے ساتھ مقید ہے، اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۵ واحدیت کی طرف اشارہ ہے جو کہ صفاتِ افعالیہ و تمام صفاتِ ثبوتیہ و شیون و اعتباراتِ ذاتیہ کے اوصافِ کمال کے ساتھ متصف ہونے کا مرتبہ ہے اس لئے کہ مقامِ صمدیت کے لئے یہ اتصاف ناگزیر ہے اسی لئے ھو الصمد کی بجائے اللہ الصمد آیا کیونکہ اس اتصاف کی قابلیت خاص اسی مرتبہ کے لئے ہے اور اس مرتبہ میں جس کی تعبیر ھو سے واقع ہوئی ہے یہ قابلیت برزخیتِ کبریٰ کے وسیلہ کے بغیر جو کہ مقامِ لاحق ہے ہرگز ملحوظ نہیں ہے، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۵ صفاتِ سلبیہ اور تنزیہات و تقدیسات ذاتیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تفصیل اور اسی طرح شیونِ ثبوتیہ کی تفصیل اللہ واحد و قہار کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس یہ سورۂ عالیہ الفاظ کے اختصار و قلت کے باوجود مراتبِ وجوب کی جامع اور اسرار و معارفِ الٰہیہ پر حاوی ہے اور لفظِ مبارک صمد جس طرح سے کہ مرتبۂ وجوب کے شیون و کمالات کا جامع ہے (اسی طرح) مراتبِ کونی و تعیناتِ امکانی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیونکہ صمدیت احتیاج کا مطالبہ کرتی ہے پس یہ سورۂ مبارکہ متبرکہ اجمال کے طور پر تمام وجوبی و امکانی مراتب کی جامع واقع ہوئی ہے اور کوئی کمال ایسا نہیں رہا کہ جس کی خبر اس سورۃ نے نہ دی ہو، اس کے قاری (پڑھنے والے) کو چاہئے کہ اس پر سرسری طور سے نہ گذر جائے اور اس کے معانی و اسرار سے بے خبر نہ رہے اور کمالِ صفات کے ملاحظہ اور جمالِ لازوال کے مشاہدہ سے بے بہرہ نہ جائے اور اخلاقِ کمال کے ساتھ متخلق ہونے اور اوصافِ جمال کے ساتھ متحقق ہونے کا کچھ حصہ حاصل کرے اور ہویتِ ذات تعالیٰ کے ساتھ کچھ یقین حاصل کرے اور اجمال و تفصیل کے مرتبہ سے استعداد کے مطابق بہرہ مند ہو جائے اور صمدیت

باری تعالیٰ جل عظمتہ کے ملاحظہ سے اپنی ذاتی احتیاج اور فطری فقر کا مطالعہ کرے اور خیر و کمال کے اوصاف کلی طور پر حق تعالیٰ کے ساتھ منسوب و مخصوص جانے اور نفسِ امارہ کی انانیت (میں پن) سے پوری طرح رہائی حاصل کرے اس وقت اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا حاصل ہو جائے گا اور صفاتِ تنزیہ تقدیس سے کہ جن کے ساتھ یہ سورۃ ختم ہوئی ہے اس کے حق میں نعمت تمام ہو جائے گی۔

۱۹۵ جان لیں کہ سالک جس قدر بھی عروج کے درجات میں ترقی کرتا اور قرب پیدا کرتا اور فنا و بقا سے مشرف ہوتا ہے ہر وقت اس کو دوئی و بیگانگی لاحق ہے اور وہ اس بارگاہ کے ساتھ کسی قسم کی بھی مجانست اور اتحاد پیدا نہیں کرتا اور اس کی ذات و صفات میں کوئی مشارکت حاصل نہیں کرتا کیونکہ بندہ ہمیشہ بندگی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہے اور وہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ اپنے تنزیہ و تقدیس کے ساتھ موصوف ہے۔ ماللتراب و رب الارباب [چہ نسبت خاک را با عالم پاک]۔ آپ نے اپنے اور بعض اپنے دوستوں کے جو بعض واقعات و کشوف و احوال لکھے تھے اعلیٰ و پسندیدہ ہیں ان کے مطالعے نے بہت زیادہ فرحت بخشی، اللہ تعالیٰ فتوح و ترقیات کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے بالنون والصاد۔

مکتوب ۷۷

شیخ عبد الحمید برہانپوری کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ درجۂ کمال تک پہنچنے کے لئے علامات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محترم بھائی شیخ عبد الحمید اس دور افتادہ (کی طرف) سے سلام عافیت انجام پڑھیں، اس بھائی کا پسندیدہ مکتوب جو کہ اس ناکارہ کے نام موسوم تھا شہر ملتان سے پہنچا، اس کے مطالعہ نے بہت زیادہ فرحت بخشی اور اس میں بعض بلند احوال اور اعلیٰ مقامات بھی مندرج تھے، اگر حق سبحانہ و تعالیٰ (کسی) بندہ کو بعض فضیلتوں کے ساتھ مخصوص فرمادے اور اکابر کے بلند مقامات پر سرفراز کر دے تو کیا تعجب ہے اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ [بیشک میرا رب نہایت رحم کرنے والا اور نہایت محبت کرنے والا ہے] لیکن اس قسم کے امور کے لئے سنتِ عالیہ کا اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب شرط ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس (بندہ) کی خواہش احکام شرعیہ اور سنن پسندیدہ کے تابع ہو جائے۔ حدیث شریف کا مضمون ہے: لن یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ [تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) ہرگز نہیں ہوگا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے] حق سبحانہ و تعالیٰ قرب کے درجات میں ترقیات نصیب فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

مکتوب ۷۸

میر محمد ابراہیم ولد سیادت دستگاہ میر محمد نعمان کے نام رابطہ وفنافی الشیخ واتباع سنت حاصل کرنے اور شیخ کامل کی صحبت اور فنافی اللہ کے اختیار کرنے پر جو کہ اس راستہ کا پہلا قدم ہے ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا ہے

بسم اللہ حامداً للہ العظیم ومصلیاً علی رسولہ الکریم۔ اے سرداری اور نقابت کو پناہ ۱۹۹
دینے والے! ہمارے طریقہ میں کمال کے درجہ پر پہنچنے کا مدار شیخ مقتدا کے ساتھ محبت کا رابطہ رکھنے سے وابستہ ہے، طالبِ صادق اس محبت کے راستے سے جو وہ شیخ کے ساتھ رکھتا ہے اس کے باطن سے فیوض وبرکات اخذ کرتا رہتا ہے اور باطنی مناسبت کے ذریعہ سے ساعت بساعت اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، بزرگوں نے کہا ہے فنافی الشیخ فنائے حقیقی کا مقدمہ ہے، مذکورہ رابطہ اور فنافی الشیخ کے بغیر تنہا ذکر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا نہیں ہے، ذکر اگرچہ وصول (الی اللہ) کے اسباب میں سے ہے لیکن غالب طور پر محبت کے رابطہ اور فنافی الشیخ کے ساتھ مشروط ہے، ہاں طریقہ ذکر کو لازم پکڑے بغیر آدابِ صحبت کی رعایت اور شیخ کی توجہ والتفات کے ہوتے ہوئے یہ رابطہ تنہا بھی موصل ہے اور اختیاری سلوک وتسلیک میں جو کہ دوسرے طریقوں کے ساتھ وابستہ ہے کام کا مدار اوراد واذکار کی پابندی پر ہے اور معاملہ کی بنیاد ریاضتوں اور چلوں پر ہے اور پیر طریقت سے اس طرح کا رجوع نہیں ہے اور اس طریقہ میں جو کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے افادہ (فائدہ پہنچانا) اور استفادہ (فائدہ حاصل کرنا) انعکاسی ہے، آداب کی رعایت کے ساتھ شیخ مقتدا کی صحبت کافی ہے، اوراد و اذکار و طاعات کی پابندی بھی امدادی اور معاون امور میں سے ہے، کمالات حاصل کرنے میں خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والزکیات والتسلیمات والتحیات النامیات کی صحبت ایمان وتسلیم اور اطاعت کی شرط کے ساتھ کافی تھی، اسی لئے وصول کی راہ اس طریقہ میں اقرب (سب سے زیادہ قریب) ہوگئی ہے اور شیخ کامل و مکمل سے فیوض وبرکات اخذ کرنے میں نہایت بوڑھے، بچے، شیوخ، زندہ اور مردہ سب برابر ہیں، اس طریقۂ عالیہ میں جو کہ ہدایت میں نہایت کے درج ہونے کو شامل ہے سنتِ منورہ کا اتباع کرنا اور بدعتِ ناپسندیدہ سے اجتناب کرنا ہے حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے "اگر لوگ پوچھیں کہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خاندان کے درویشوں کا اعتقاد کیا ہے تو تو کہہ دے کہ اہل سنت و

جماعت کے مطابق اعتقاد اور دوامِ عبودیت ہے جو کہ عبادت ادا کئے بغیر متصور نہیں ہے اور وہ کسی غیر کے وجود کے شعور کی مزاحمت کے بغیر بلکہ وجودِ حق سبحانہٗ کی آگاہی کی صفت سے بھی ذہول (نسیان اور بھول جانے) کے ساتھ حضرت حق سبحانہٗ کی مقدس بارگاہ میں دوامِ آگاہی مراد ہے، اس سعادتِ عظمیٰ کا پانا جذبہ کے تصرف کے بغیر جس سے مراد محبتِ ذوقیہ کا ظہور ہے میسر نہیں ہے۔ جذبہ کے طریق میں کسی ایسے شخص کی صحبت سے زیادہ قوی ذریعہ کوئی نہیں ہے کہ جس کا سلوک جذبہ کے طریق سے واقع ہوا ہو اگر حق سبحانہ وتعالیٰ محض اپنی عنایت سے کسی ایسے شخص کی صحبت میں پہنچا دے کہ (جس کے) جذبہ کے تصرف کا اثر ظاہر ہو جائے جس سے مراد ذوق کے طور پر حق سبحانہٗ کے ساتھ آگاہی ہے اور دل کو اس آگاہی میں ایک لذت ہے، اس کو چاہئے کہ اپنی سعادت ہر کلی وجزئی امر میں اس کی اطاعت میں

ص ۱۹۷ جانے اور اپنی بدبختی اس سے روگردانی میں جانے ہمیشہ اپنے اوقات کو اس کے ادب کی نگاہداشت میں صرف کرے اور جو چیز بھی اس کو ناپسند ہے اُس سے اپنے آپ کو بچائے اور اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں اپنے آپ کو مصروف نہ کرے، چنانچہ جو کچھ اس کا محبوب (پسندیدہ) ہو اس کو اپنا محبوب بنائے اور جو کچھ اس کو ناپسند ہو طبعی طور پر اس سے نفرت کرے تاکہ ایسا ہو جائے کہ اُس کی مراد کے سوا اس کی اور کوئی مراد نہ ہو اور تمام مرادیں اس کے سینہ کی وسعت سے نکل جائیں اور جب حالت یہاں تک پہنچ جائے تو اس لائق ہے کہ وہ وصف جو دل پر وارد ہوا ہے بقا حاصل کرلے"۔ تم کلامہ [حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کا کلام پورا ہوا)۔ اس طریقہ کے بزرگوں نے کہا ہے مصرع

سایۂ رہبر بہ ست از ذکرِ حق

[رہبر کا سایہ حق تعالیٰ کے ذکر سے بہتر ہے] اور ان بزرگوں نے سایۂ رہبر کا اشارہ طریقۂ رابطہ کی طرف کیا ہے کہ جس سے مراد شیخ کی صورت کی اس طریقے پر حفاظت ہے جو کہ اس طریقہ میں مقرر ہے یعنی رابطہ کا طریقہ مبتدی طالب کے لئے ذکر (حق) سے زیادہ فائدہ مند ہے، اگرچہ ذکر فی نفسہٖ بزرگی اور فضیلت رکھتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ مرید بیچارہ چونکہ عالمِ سفلی (دنیا و ما فیہا) میں گرفتار ہے (اس لئے) وہ عالمِ علوی (عالمِ بالا) سے مناسبت نہیں رکھتا کہ وہ اس بارگاہ سے بلا وسیلہ فیوض و برکات حاصل کر سکے (اس لئے) اس کے لئے دونوں طرف سے حصہ رکھنے والا ایک واسطہ چاہئے جو عالمِ علوی سے کچھ حظ حاصل کر کے مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لئے عالمِ سفلی کی طرف متوجہ ہوا ہو اور پہلی (عالمِ بالا کے ساتھ) مناسبت کی وجہ سے عالمِ غیب سے فیوض اخذ کرکے دوسری مناسبت کے ذریعہ سے جو کہ وہ عالمِ سفلی کے ساتھ رکھتا ہے اُن فیوض کو اُن کی استعداد والوں کو پہنچائے، پس طالبِ رشید شیخ کے ساتھ مناسبت کی

[illegible]

جسقدر وجوہ زیادہ رکھتا ہوگا اس کے باطن سے اسی قدر زیادہ فیض اخذ کرے گا ؎

زاں روے کہ چشمِ تست احول   معبودِ تو پیرِ تست اول

چونکہ تیری آنکھ بھینگی (ایک چیز کو دو دکھاتی) ہے اسلئے اول تیرا (معبود تیرا پیر ہے) اور جن چیزوں سے کہ شیخ کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہر اور باطن میں اس کی محبت وخدمت اور اس کے آداب کی رعایت ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ "کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا" اور عبادات وعادات میں اس کا اتباع ہے اور اپنی مرادوں کو اس کی مرادوں کے تابع کر دینا ہے اور تمام امور میں اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا جیسا کہ مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور رابطہ کا طریقہ ان (مذکورہ بالا) امور میں سب سے بڑا امر ہے اور شیخ کے ساتھ بہت ہی زیادہ مناسبت پیدا کرتا ہے، اور ان مذکورہ بالا امور کو جن کے ذریعہ مناسبت حاصل ہوتی ہے آسان کرنے والا ہے، اور جب رابطہ کی نسبت غالب آجاتی ہے تو وہ (سالک) اپنے آپ کو عینِ شیخ دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے لباس اور وصف سے موصوف پاتا ہے اور جہاں کہیں دیکھتا ہے شیخ کی صورت دیکھتا ہے ؎

ازیں بتاں ہمہ در چشمِ من تو می آئی   بہر کہ می نگرم صورتِ تو می بینم ۱۹۸

(ان سب بتوں (حسینوں) میں سے تو ہی میری نگاہ میں آتا ہے میں جس کسی کو بھی دیکھتا ہوں تیری ہی صورت دیکھتا ہوں)

میرے مخدوم! آپ نے طلب پیدا ہونے کے بارے میں ظاہر کیا تھا، آپ جان لیں کہ حق سبحانہ فرماتا ہے اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص دین ہی ہے) طالبِ حق کے لئے (زمر آیت ۳) لازم ہے کہ اُس تعالیٰ شانہ کی طلب ومحبت میں یکسُو اور یک رُخ ہو جائے کیونکہ یہ عظیم امر شرکت کی گنجائش نہیں دیتا جسقدر کوئی شخص کثرت کے ساتھ اُلجھا ہوا ہے اور کثرت کی جہتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے اگرچہ طلب وعلم اور محبت کے ساتھ ہو حقیقی وحدت سے دور ومحروم ہے اور وہ جسقدر کثرت کو ساقط (دُور) کرے گا خواہ توجہ والتفات وطلب کی رُو سے دور کرے یا دید ودانش (دیکھنے اور جاننے) کی رُو سے دُور کرے وحدت کے زیادہ قریب ہوگا۔ جبتک سالک (کثرت کے) اسقاط (دُور کرنے) کے درپے ہے وہ مقامِ طریقت میں ہے اور جب معاملہ اسقاط (دُور کرنے) سے سقوط (دُور ہو جانے) تک پہنچ جائے اور ماسوا کی محبت اور دید ودانش سے نجات حاصل کرلے تو حقیقت کو پہنچ جاتا ہے، اس مقام میں دل کو ماسوی اللہ سے اسقدر انقطاع ونسیان حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر کئی سال تک تکلف کے ساتھ ماسوا کو یاد ومستحضر کرے (تب بھی) میسر نہ ہو اور یاد نہ آئے، یہ کمالاتِ ولایت میں سے پہلا کمال ہے اور دوسرے کمالات کے لئے شرط ہے اور اس معاملہ کو فنائے قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے، کوشش کرنی چاہیے تاکہ پہلا کمال

حاصل ہو جائے اس کے بعد دوسرے کمالات کے بارے میں بات کی جائے ع

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است [اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک حرف (ہی) کافی ہے]

مکتوب ۷۹

خواجہ محمد حنیف کے نام مقامِ بندگی کی تحقیق اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے

دقیق اسرار کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بندگی کی حقیقت اور طاعات کی حلاوت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ توجہ کا قبلہ بارگاہِ صمدیت کے سوا اور کوئی نہ ہو اور تمام امور میں مرجعِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ رہے اور خواہشاتِ نفسانی کی تدبیر سے گذر کر تمام امور اُس لم یزل ولایزال (اللہ تعالیٰ) کی پاک بارگاہ کے سپرد کردے اور اعتماد کی پشت فانی اور ہلاک ہونے والے کاموں پر نہ رکھے کیونکہ اس کا نتیجہ مطلبِ اعلیٰ سے دوری و محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اے بھائی! دنیا میں کسی کی طرف رجوع کرنے کا باعث اور کسی موجود پر اعتماد کرنے کا سبب یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ مُربّی (پرورش کرنے والا) ہے اور ظاہری و باطنی تربیت اس کے ساتھ وابستہ ہے اور آیۂ کریمہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ [تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی] کے مطابق حقیقی مُربّی اللہ تعالیٰ و تقدس کی پاک بارگاہ ہے اور ظاہر و باطن کی تربیت حقیقت میں اسی سبحانہ و تعالیٰ کے
۱۹۹ ساتھ وابستہ ہے اور پیر، استاد، ماں، باپ اور جو اُن کے مثل ہیں یہ سب دنیا میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے مُربّی ہیں، ان سب کی طرف شریعتِ عالیہ کے موافق رجوع و تواضع کرنا چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اس لئے حقیقت میں اس عنوان سے ان کے ساتھ تواضع و رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع و رجوع کرنا ہے، یا (رجوع کا سبب) سلطنت و بادشاہت ہوا کرتی ہے اور سلطنت و بادشاہت بھی آیۂ کریمہ مَلِكِ النَّاسِ [لوگوں کے بادشاہ کی] کے بموجب اُسی (اللہ تعالیٰ) جل سلطانہ کے لئے (مسلّم) ہے، یا (رجوع کا سبب) معبودیت و الوہیت ہوتی ہے کیونکہ عقل و عرف کی رُو سے دنیا میں رجوع و اعتماد و تواضع و خشوع (کا معاملہ) الٰہ و معبود کے ساتھ ہونا مستحسن (اچھا) بلکہ واجب و لازم ہے اور (یہ) معبودیت و الوہیت بھی آیۂ کریمہ اِلٰهِ النَّاسِ [لوگوں کے معبود کی] کے مطابق بیچونِ حقیقی کی پاک بارگاہ کے لئے مسلّم و مخصوص ہے نفسِ انسانی و وسوسۂ شیطانی کہ جس کے شر سے

پناہ مانگنے کا حکم حق سبحانہ وتعالیٰ آیۂ کریمہ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ (میں) وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (پناہ مانگتا ہوں) خواہ وہ جنات ہیں (یا انسان) میں فرماتا ہے، یہ (دونوں) دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں چاہتے ہیں کہ اس تحقیقی مربی و معبود اور حقیقی بادشاہ سے بندہ کو دور و محجوب کر دیں اور اس کے ماسوا میں گرفتار کر دیں اور جلی (نمایاں) اور خفی (پوشیدہ) شرک کی طرف رہنمائی کریں، اس قسم کے ملعون (دشمن) کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا ضروری ہے، ہمیشہ پناہ مانگتے رہنا چاہئے اور ان تینوں اوصاف کو جو کہ اس سورۂ مبارکہ میں مذکور ہیں مکمل طریقے پر اس مقدس بارگاہ میں منحصر تصور کرنا چاہئے تاکہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے اور بارگاہِ قدس میں راستہ پائے: رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (اے رب ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے ہدایت کا سامان مہیا فرما)

مکتوب ۸۰

مرزا محمد فاروق کے نام بندگی اور ارادہ میں تضاد کے بارے میں اور حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے روضہ مبارکہ کی تعریف اور شہر سرہند کی بزرگی کے بیان میں تحریر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ مرادوں کے حصول کے ساتھ آپ کی عزت افزائی فرمائے بلکہ (دیگر) تمام مرادوں سے خالی کر دے اور اپنے ارادے کے ساتھ قیام بخشے، بندگی کا مقام جو کہ نیستی اور بے وجودی (عدم و فنائیت) ہے ارادہ کے وصف کی گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ (ارادہ) ہستی اور خودی کی خبر دینے والا ہے اور ہستی و انانیت (میں پن) کا ایک نقطہ بھی محب کے سینہ پر کوہِ قاف اور سدِ سکندری (بہت بڑا بوجھ و رکاوٹ) ہے کہ جس کا دور کرنا کرم (فضل) کے وسیلہ کے بغیر ممکن نہیں ہے، باطنی جذبات قویہ کے بغیر صرف ظاہری اعمال اس گرداب سے نہیں نکالتے اور جب تک شوق کی آگ کا شعلہ باطن کو فروزاں نہ کریں اور شرکت سوزِ عشق نہ دیں اس بھاری بوجھ سے نجات اور رہائی محال ہے، جب تک سالک اپنے ارادے کی قید میں ہے مرید ہے اور جب ارادے اور مرادوں سے رہائی حاصل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو ارادے کے مقام سے نکل جاتا ہے اور شیخی کے مقام کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں یہ معنی جو کہ ولایت کے کمالات میں سے پہلا کمال ہے اور اسی طرح ولایت کے تمام کمالات پیشوائے اکابر حضرت پیر دستگیر قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مزار فائض الانوار سے

مفاض و مستفاد (جاری و حاصل) ہیں اور اس روضۂ منورہ کے مجاورین (پڑوسی) بلکہ اطراف و اکناف کے طالبان جو کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ آتے ہیں اور نیاز مندی کا سر اس آستانہ بلند سے گھستے ہیں ان دولتوں سے فیضیاب و بہرہ ور ہوتے ہیں اور ایک گھونٹ پی کر صد جوش و خروش کے ساتھ اپنے آپ کو ترک کر کے مطلب کو پہنچ جاتے ہیں۔ آج سرہند کی زمین فیوض و انوار کی کثرت اور اسرار کے ظہور کی بہتات کی وجہ سے ہند و غیرِ ہند کے لئے رشک (کی جگہ) ہے، لوگ اس کو ہندوستان سے نہ جانیں کیونکہ یہ ولایت (غیرِ ہند) کی کھڑکی ہے ہندوستان کی خاک ولایت کے پانی کے ساتھ مل گئی ہے اور محبت کی شراب جمع کی افیون کے ساتھ اس کی طینت میں گھل مل گئی ہے اس لئے سُکر کے جوش سے عین و اثر کو اس کے طالبوں سے دُور کر دیا ہے، اُس جگہ کے رقص کرنے والوں سے سرود ستار اُٹھا دیا ہے، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند　　حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

[اس افیون کی وجہ سے جو کہ ساقی نے شراب میں ڈال دی ہے حریفوں کو نہ سر (کا ہوش) رہا ہے اور نہ پگڑی (کا)]

اس کے باوجود جمع الجمع کے شربت سے سیراب ہے اور صحو و دعوت کے دودھ سے تر و تازہ ہے یہ سب ہدایت و ارشاد اس (بقعہ) کا اثر ہے اور یہ دید و داد (دیکھنا اور دینا) اُس (جگہ) کا پرتو ہے اس بقعہ (قطعۂ زمین) کی طینت کی لطافت کہاں تک بیان کرے اور اس کے وجود کے فیوض و اسرار اور اس کے جود و ایثار کو کہاں تک ظاہر کرے کہ یہ چیز عقل و ہوش والے طالبوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور صفائی کی طبیعت والے منصفوں پر پوشیدہ نہیں ہے اس کے اسرار کے سمندروں سے ایسا موتی ہاتھ آتا ہے کہ دوسری جگہوں میں کمیاب ہے اور اس کے شراب خانے سے مشتاقین کے حلق میں ایک ایسا گھونٹ پہنچتا ہے جو کہ آفاق و انفس سے بے خبر کر دیتا ہے ؎

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است　　بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

[میں بس کرتا ہوں کیونکہ عقلمندوں کے لئے یہی کافی ہے، اگر گاؤں میں کوئی شخص ہے تو میں نے خطرہ کی آواز لگا دی ہے] والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۸۱

رفعت بیگ کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ کثرت کا ترک کرنا اس راستہ کی شرط ہے۔

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ [تو کہہ اللہ نے پھر ان کو چھوڑ دے] وحدت و کثرت ایک دوسرے کی ضد ہیں

طالبِ وحدت کے لئے کثرت کو ترک کرنا ضروری ہے، کثرت کی جسقدر جہتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے
اسی قدر دُور و محروم ہے طلب و محبت کی رُو سے بھی وحدانی رہ اور علم و ارادے کی رو سے بھی تاکہ ۲۰۱
تُو مناسبت پیدا کرلے اور وحدت کا آئینہ ہوجائے اور توحیدِ حقیقی کو پہنچے۔ التوحید اسقاط الاضافات
(اضافوں (تعلقات اور نسبتوں) کو ساقط (دُور) کرنا ہی توحید ہے)۔

مکتوب ۸۲

محمد کاشف کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مطلوب تک پہنچنا اپنے سے گذرے بغیر ممکن نہیں ہے
مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے) حق تعالیٰ جل وعلا کا طالب جبتک عاریتی لباس کو نہ اُتارے اور ماسوی اللہ سے رہائی حاصل نہ کرے اور تعلقات اور نسبتوں سے خالی نہ ہوجائے اور اپنے آپ سے گذر نہ جائے اُس سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہِ مقدس میں کوئی راستہ نہیں پائے گا اور باقی رہنے والے اخلاق کے ساتھ متخلق نہیں ہوگا ع

بامارِ سیہ نشین و باخود منشین [سیاہ سانپ کے ساتھ بیٹھ اور اپنے نفس کے ساتھ مت بیٹھ]

مکتوب ۸۳

خواجہ عبد الصمد کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ظاہری اسباب کا ختم ہونا باطنی معاملہ کا مددگار ہے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ فتوح (کامیابیوں) کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے اہل اللہ کے بیشتر سلوک میں سب عبارتوں سے کامل ترین عبارت یہ آیۂ کریمہ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ؎ ہے
طالبِ صادق جبتک تمام نسبتوں اور تعلقات سے خالی نہ ہوجائے لازوال انوار کے ساتھ بقا حاصل نہیں کرتا، اگرچہ اس معاملہ میں عمدہ چیز باطن ہے اور فنا و بقا بالاصالت اس کے اوصاف میں سے ہے لیکن صوری سازو سامان کو زائل کرنا اور معیشت کے اسباب کو ختم کرنا اور ظاہری حوادث کو ساقط کرنا باطنی معاملات کے معاونین اور معنوی ترقیات کے اسباب میں سے ہے، کوئی شاہباز ہونا چاہیے جو کہ اس آیتِ کریمہ کے اسرار کے سمندروں میں غوطہ لگائے اور کلمہ مَا کے عموم سے جو کہ اس آیت میں دو جگہ آیا ہے بہرہ ور ہوجائے والسلام۔

؎ [ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائیگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے]

مکتوب ۸۴

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام اس بارے میں کہ ذوق و شوق، مشاہدہ اور حضور وغیرہ سب توسط (درمیانی منزل) میں ہے اور انتہا میں خوف و حزن ہے اور اس کلمہ کی شرح میں جو اعلیٰ بشارت کے ضمن میں الہام ہوا تھا تحریر فرمایا۔

ص ۲۰۲ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، برادر عزیز مولانا محمد صدیق کے گرامی نامہ نے وصول ہو کر مسرور و لطف اندوز کیا اس میں درج تھا کہ "اگر اس سے پہلے پُر شوق گریہ ہوتا تھا تو اب پُر خوف گریہ ہوتا ہے، اور اگر اس سے پہلے نیستی کے وصف کا مراقبہ رکھتا تھا تو اب حیرت و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں رکھتا، اور اگر اس سے پہلے نسبت و حلاوت رکھتا تھا تو اب بے نسبتی اور بے حلاوتی ہے تمام حالات میں نسبت و اسرار و معارف کے مراقبے سے خالی اور بَری ہو کر حیرت کے جنگل اور نکارت (ناآشنائی) کے صحرا میں سرگرداں ہے نہ گرفتارِ فنا ہے اور نہ طالبِ بقا ہے، نہ حضور کی جستجو کرنے والا ہے اور نہ ہی شہود کے لئے بھاگ دوڑ کرنے والا۔"

میرے مخدوم! شوق و حلاوت، مراقبہ و نسبت اور نیستی یہ سب احوال کے وسط میں ہیں، اور کام کے آخر میں خوف و حیرت، سرگردانی و بے حلاوتی اور بے نسبتی ہے، جب معاملہ اصل الاصل سے پڑتا ہے بلکہ اصل کو (بھی) ظل کی طرح راستہ میں چھوڑ دیتا ہے اور اس بلند بارگاہ کے ساتھ اپنی بے مناسبتی کا احساس کرتا ہے تو وہ شوق و حلاوت و خیال و نسبت و اسرار و معارف کہ جن سے وہ مالوف و مانوس تھا زائل ہونے لگتے ہیں اور اُن کی جگہ خوف و حیرت و بے حلاوتی اور جہل و ناآشنائی لے لیتی ہیں، وہ جہل و ناآشنائی نہیں جو کہ عوام کا حصہ ہے (بلکہ) یہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے اس کو نہیں پاتا، یہ وہ جہل و نکارت ہے جو علم و دانش پر ہزاروں درجہ فضیلت رکھتی ہے اور یہ وہ خوف و حیرت ہے کہ کئی وجوہ سے شوق و حلاوت پر ترجیح رکھتا ہے، یہ اطلاقات مدح بما یشبہ الذم [وہ تعریف جو مذمت کے مشابہ ہو] کی قسم سے ہیں، جب تک سالک کی سیر اصول میں ہے شوق و حلاوت و معرفت اور اسرار معارف بیان کرنے میں زیادہ بولنے اور احاطہ و سریان و اصالت و ظلیت اور مرآتیت (آئینہ ہونا) کی نسبت کے ثابت کرنے وغیرہ کی گنجائش ہوتی ہے اور جب معاملہ اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دیتا ہے تو کَلَّ لِسَانُہٗ [زبان گونگی ہو گئی]

رکا مقام حاصل ہوجاتا ہے اور مذکورہ نسبت پوشیدہ ہوجاتی ہے ما للتراب ورب الارباب (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اور یہ معرفت وحلاوت ختم ہوجاتی ہے۔ اس مقام میں اگر علم اور لذت حاصل کرتا ہے تو وہ دوسری وجہ سے ہے یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کو جہل وحیرت سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے من لم یذق لم یدر (جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا) اگرچہ آپ کی بعض عبارتیں اس معنی کو ادا کرنے والی نہیں ہیں جو کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں اور فی الجملہ اس پر محمول ہونے سے انکار کرتی ہیں لیکن امید ہے کہ آپ اس کے اردگرد سے کچھ حصہ رکھتے ہیں اور المرء مع من احب (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے) کے مصداق آپ نے ایک (قسم کی) معیت اس نسبت والوں کے ساتھ حاصل کرلی ہے۔

۲۰۳ آپ نے لکھا تھا کہ واضح یقین کے ساتھ یہ بات حاصل ہوگئی ہے کہ خواہش وآرزو کی کوئی گرد بھی دل کے آئینہ میں نہیں بیٹھی ہے اور اسی ضمن میں ایک قسم کی حلاوت ولذت حاصل ہوئی ہے کہ تمام عمر میں اس قسم کی حلاوت ظاہر نہیں ہوئی ہوگی عین خاص الخاص لذت حاصل کرنے میں تھا کہ ہوش کے کان میں آواز دی گئی کہ یہ تسلیم ورضا کا مقام ہے لیکن اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو نورِ محض پایا اور بے کیف دیکھا تھا اور آپ نے لیکن کے معنی میں تحیر میں مبتلا ہوکر بہت سے احتمال (شکوک) لکھے ہیں "لیکن کا معنی جو کچھ (میرے) دل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ "لیکن مطلوبِ حقیقی تک پہنچنا اس سے ماوراء ہے اور جو کچھ آپ نے آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک سے اس کے معنی کا استفادہ کیا ہے کہ بخ بخ لکن استقم (آفرین لیکن اس پر استقامت حاصل کر) ہوسکتا ہے کہ اس معنی کے ساتھ جمع ہوجائے یعنی لیکن اس پر مستقیم رہ تاکہ انتہائی مطلب تک ترقی حاصل کرے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مطلبِ اعلیٰ تک پہنچنا اس کے ماوراء ہے یا اس لئے ہے کہ تسلیم ورضا وفنائے ارادہ شروط میں اور موانع کے دور کرنے میں داخل ہیں، کاملین کے قدموں کا باہم افضل ہونا دوسرے امور کی وجہ سے ہے اس قسم کے امور کا ہونا قدرِ مشترک ہے جو کہ ضروری ہے۔

اگر یہ کہیں کہ قوم (صوفیہ) کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ مقامِ رضا تمام مقامات سے اوپر ہے، ان حضرات نے مقامات میں سے پہلا مقام توبہ کو اور ان میں سے آخری مقام رضا کو کہا ہے، تو پھر مقامِ رضا سے ترقی کس طرح متصور ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سلوک کے مقامات کا انتہا (آخری مقام) ہے کہ جس کا حاصل ہونا کسب وریاضت سے وابستہ ہے یہ مطلق مقاماتِ عروج کا انتہا نہیں ہے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "اس وقت سے جبکہ یہ واقعہ منکشف ہوا ہے کمر ٹوٹ گئی ہے کہ اگر اس شخص میں استقامت ہوتی تو بظاہر اس خطاب سے مخاطب نہ ہوتا کیونکہ تحصیل حاصل (حاصل چیز کو

حاصل کرنا محال ہے۔" یہ کوئی تحصیل حاصل نہیں ہے کیونکہ لفظ استقم (استقامت حاصل کر) مستقبل کا لفظ ہے یہ حال کی استقامت کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ [پس تو استقامت حاصل کر جیسا کہ تجھ کو امر کیا گیا ہے] بیشک استقامت مشکل کام ہے اور اس کا امر کمر کو توڑنے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ ھود نے مجھ کو بوڑھا کر دیا۔ اور آپ نے واقعہ میں جو کچھ فقیر کا اعتراض مشاہدہ کیا ہے آپ کی فرمانبرداری و تسلیم کے بعد وہ اعتراض اس کی ضد میں تبدیل ہو گیا ہے گویا آپ کے انقیاد (فرمانبرداری) اور تسلیم کا امتحان ہوا ہے۔ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [اے اللہ ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا فرما دے اور ہماری مغفرت فرما دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے]۔

مکتوب ۸۵

پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ کے نام اُن شبہات کے حل میں جو کہ انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ۳۰۲
کے کلام پر کئے تھے اور حضرت ذات تعالیٰ سے تنزل وجود خواہ عیناً ہو یا زائد کے بارے میں
حضرت عالی قدس سرہٗ کے مذہب اور حیات کے علم پر مقدم ہونے کی تحقیق اور تعین وجودی و
حبی اور ہر مقام کے متعلق مناسب تحقیقات کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الوریٰ امام التقی محمد المصطفیٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ شموس الدجیٰ وصحبہ نجوم الھدیٰ اما بعد (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ نہایت مہربان اور بہت ہی رحم والا ہے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر خصوصاً مخلوق کے آقا و سردار متقیوں کے امام حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کہ قاب قوسین او ادنیٰ کے مالک ہیں اور آپ کی آل پر جو کہ تاریکیوں کے سورج ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں سلام ہو، اس کے بعد) پس یہ وہ فقرات ہیں جو تنزیہات کی نرم ہواؤں سے مترشح ہوئے ہیں اور وہ باغات ہیں جو تقدیسات کی خوشبوؤں سے مہکے ہیں، احدیت کے وہ انوار ہیں جو کہ فتوحات کی شعاعوں سے ظاہر ہوئے ہیں اور وہ پاکیزہ حالات و واقعات ہیں جو عطیات (الٰہی) کے ترشح سے نمودار ہوئے ہیں، وہ الہامات ہیں جن میں بیمار عقل کے لئے علاج ہے اور وہ انعامات ہیں جن سے روح کے لئے تروتازگی و زندگی ہے، مشکلات کو حل کرنے میں کلمات کاملہ ہیں اور قلیل سرمایہ میں حقیر سا ہدیہ ہیں

جو اُس مخدوم مکرم کی طرف بھیجا گیا ہے جو کہ کمالات کا جامع ہے، شوق و وجد اور لذات کی چادر میں ناز سے چلنے والا ہے، وہ جذبات کا مورد، انعامات کا مہبط، معقولات کے دلائل کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے والا تصوف والٰہیات کے دقائق میں غور کرنے والا ہے اور بیشک اُس نے ہماری طرف ایک بزرگ گرامی نامہ ارسال کیا تھا جو بلند معارف اور نادر سوالات پر مشتمل تھا اور جو کچھ اس خط میں تھا میرے پاس اس کی مثل نہیں تھا تو اس سے بہتر کس طرح ہوتا (حالانکہ نص میں) وارد ہے فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا [پس تم اُن سے بہتر (الفاظ میں) سلام کرو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو] اور یہ میرے فہم کی کوتاہی اور میرے ادراک کی کمی کی وجہ سے ہے خاص طور پر اسرارِ الٰہیہ سے کہ جن کے صحراؤں (وسعتوں) میں قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور جن کی تمہیدوں میں عقلیں بھٹکتی رہتی ہیں اور اسی لئے میں توجہ کی باگ کو اس طرف سے پھیر لیتا تھا کہ اُن کے مقابلہ میں کوئی چیز صراحۃً یا کنایۃً لکھوں، اسی طریقہ پر ایک سال گذر گیا اور ہماری جانب سے ہرگز کوئی جواب ظاہر نہ ہوا یہاں تک کہ مخدوم مکرم کی جانب سے متعدد مکتوبات موصول ہوئے کہ اس کے جواب میں جو کچھ تو جانتا ہے لکھ، پس میں قلم پکڑنے پر مجبور ہوا اور میں نے انوار قدم (اللہ تعالیٰ) سے مدد طلب کی پس مالایدرک کلہ لایترک کلہ [جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہیے یعنی جس قدر ملے لے لینا چاہیے] کے مصداق میں نے اس (تعمیلِ ارشاد) میں (لکھنا) شروع کیا اور کام کی بزرگی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور اسی سے اس کا عقد وحل ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ جب میں نے اس مکتوب میں غور کیا تو میں نے اس کے بعض مسائل کو طبیعیات سے متعلق اور بعض کو ریاضی سے اور بعض کو تصوف والٰہیات سے متعلق پایا اور میں نے دیکھا کہ طبیعیات و ریاضی کے دقائق میں مشغول ہونا عزیز اور قابلِ قدر وقت کو ضائع کرنا اور دنیا و آخرت کے اعتبار سے بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کے ساتھ کثرت سے مشغول ہونا دینی عقائد میں سستی پیدا کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "بندہ سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی علامت اس (بندہ) کا بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے" اور اگر نفس کا ۸۵ کوئی معتد بہ کمال ان دونوں علموں کے ساتھ وابستہ ہوتا تو صاحب شرع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کو ترک نہ فرماتے اور سلف اس سے روگردانی نہ کرتے بلکہ وہ اس کے حاصل کرنے میں رغبت کرتے اور اس کی تعلیم پر رغبت دلاتے اور چونکہ ایسا نہیں ہوا پس (یہ معاملہ بھی) ایسا نہیں ہے اور جو چیز کہ تصوف سے تعلق رکھتی ہے تو اس میں سے ایک وہ چیز ہے جو مسئلہ وحدۃ الوجود کی شرح اور مخلوق اور حق تعالیٰ و تقدس کے درمیان اتحادِ ذاتی سے متعلق ہے اور بلاشبہ یہ مسئلہ صوفیائے وحدۃ الوجود کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ

بیان کیا گیا ہے اور ہم اس مسئلہ سے بے تعلق ہیں اور ان میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جو ہمارے شیخ و امام و قبلہ حبیبِ رحمانی و مجدد الفِ ثانی (قدس سرہ العزیز) کے بعض معارف سے متعلق ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے جو کہ غالب اور قوی ہے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول کہ) "کیا ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وجود ذاتِ واجب تعالیٰ پر زائد ہے یا اس کا عین ہے اور پہلے قول (یعنی زائد ہونے) کی بنا پر ان دلائل عقلیہ سے کس طرح رہائی ہے جو اس کے عین ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور کثرتِ شہرت کی وجہ سے ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور علی رغم المخالف (مخالف کی مرضی کے خلاف) یہ دلائل قطعی ہیں انتہیٰ" (اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہاں ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ سبحانہ تعالیٰ بذاتہٖ خود ثابت ہے نہ کہ وجود کے ساتھ پس اس کی ذاتِ عالیہ اپنے ثبوت میں کافی ہے وجود کی محتاج نہیں ہے اور وہاں وجود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے خواہ عیناً ہو یا زائداً ہو۔ یہ اس تحقیق کی بنا پر ہے جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی پس اس سبحانہ وتعالیٰ کے اس وجود کے ساتھ موجود ہونے کی وجہ سے جو کہ ماہیت پر زائد ہے دلائل نافیہ اس پر وارد نہیں ہوتے پس اگر یہ کہا جائے کہ اس تعالیٰ شانہ کے بنفسہٖ موجود ہونے اور صوفیائے کرام کے مذہب کے مطابق وجود کے اس کی عینِ ذات ہونے کا مرجع ایک ہی ہے اس لئے کہ وجود کے اس کا عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وجود پر مرتب ہوتا ہے وہ ذاتِ تعالیٰ پر بھی مرتب ہوتا ہے تو ہم (جواباً) کہتے ہیں کہ بات اس طرح نہیں ہے اس لئے کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کے اپنی ذات کے ساتھ موجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی حقیقت اپنی ذات میں وجود سے ماوراء ہے (اور) اس پر وجود کے آثار مرتب ہونے کیلئے کافی ہے اور اس تحقیق کی بنا پر جو کہ ہمارے شیخ و امام (حضرت مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی وضاحت میں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی، وجود اس مرتبۂ عالیہ سے متنزل (نیچے کے مرتبہ میں) ہے۔

اور وجود کے اس کی عینِ ذات ہونے کے یہ معنی کہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی حقیقت یہی وجود ہے صرف اس بنا پر ہیں جو ان حضرات کی تحقیقات سے مستفاد ہوتی ہے پس اُس مرتبۂ مقدسہ پر وجود کا اطلاق ان کے نزدیک حقیقت ہے اور اگر وجود کی عینیت سے یہ مراد لی جائے کہ جو کچھ اس پر مترتب ہوتا ہے وہی وجود پر بھی مترتب ہوتا ہے تو اس سبحانہ وتعالیٰ پر وجود کا اطلاق بطریقِ مجاز و تشبیہ و

نظیر ہو گا اور (چونکہ) مجاز کی نفی ہو جاتی ہے پس اس سے وجود کی نفی صحیح ہو جائے گی، اور ذات تعالیٰ
فی نفسہٖ وجود کے سوا ہو گی۔ اور وہ صوفیائے کرام جو وجود کی عینیت کے قائل ہیں اس کو جائز نہیں کہتے ۲۰۶
جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے جو اُن کے کلام میں جستجو کرتے ہیں اور ان کے اطوار سے واقف
ہیں، وہ (صوفیائے کرام) کہتے ہیں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی حقیقت وجودِ بحت ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے
اور اپنی ذات سے کسی چیز کا سلب کرنا محال ہے اور اگر ان کے نزدیک اس تعالیٰ سبحانہٗ پر وجود کا اطلاق
حقیقت کے طور پر نہ ہوتا تو عینیتِ وجود کے قائلین کے درمیان حق سبحانہٗ کے وجودِ مطلق ہونے یا اُس کا کوئی
فرد ہونے میں اختلاف کے لئے کوئی حاصل شدہ معنی نہ ہوتے اور ان کے نزدیک اس مرتبۂ عالیہ پر وجود
کے اطلاق کی مجاز کے طور پر کس طرح گنجائش ہو گی حالانکہ مسئلہ وحدۃ الوجود کا مبنیٰ یہ ہے کہ وہ تعالیٰ شانہٗ
وجودِ مطلق ہے، علاوہ ازیں اس کی عینیت پر اکثر دلائل غیر صحیح و نامکمل ہیں پس ان کا قطعی ہونا غیر مسلّم ہے
اور مخالف کے گمان پر اُن (ادلّہ) کا قطعی ہونا ہمارے لئے مضر نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول): "اور تعینِ وجودی جس کی طرف ہمارے شیخ و امام و قبلہ قدس سرّہ الاقدس
گئے ہیں اس سے مراد یا وجودِ عام ہے یا وجودِ خاص یا وجودِ مطلق؟" (جواباً) ہم کہتے ہیں کہ وہ مرتبہ جس کو
بعض صوفیائے عالی مرتبہ وجودِ بحت کہتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ مرتبۂ لاتعین ہے وہ ہمارے نزدیک
مرتبۂ ذاتِ عُلیٰ سے نیچے کا مرتبہ ہے اور اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے خواہ وہ اس کو وجودِ خاص کے
نام سے موسوم کریں یا موجودِ عام سے یا وجودِ مطلق سے، اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ وجودِ مطلق ہے تو یہ بھی بعید
نہیں ہے لیکن وہ اطلاق کی قید سے آزاد نہیں ہے اس لئے کہ وہ متعین و متنزل ہے اور ایسا اطلاق
لاتعین کے مناسب ہے بلکہ وہ قیود سے مطلق (آزاد) ہے (اور) اطلاق کے ساتھ مقید ہے پس وہ ایک
لحاظ سے مطلق اور ایک لحاظ سے مقید رہے اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے جیسا کہ ان حضرات نے مرتبۂ
وحدت میں کہا ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ تردید درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر مطلق سے مطلقِ حقیقی مراد ہے
تو تردید حصر والی نہیں ہے اور اگر اس سے مطلق اضافی مراد ہے تو تردید کے عدم انحصار کے باوجود جو
دلیل کہ اس کے باطل قرار دینے پر لائی گئی جو کہ آگے عنقریب آئے گی اس کے لئے غیر مطابق ہے اور اگر وہ معنی
مراد ہیں جو ان دونوں معنوں کو شامل ہیں تو مدعی کی طرف سے دلیل ناقص و نامکمل ہے پس آخری
دونوں صورتوں میں تقریب کامل نہیں ہوتی۔

قولہ (اس کا یہ قول) پہلی صورت کی بنیاد پر اس سے چارہ نہیں کہ زائد ہو پس اس صورت
میں خلاف متحقق نہیں ہو گا کیونکہ ابنِ عربی اور ان کے تبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی طرف گئے ہیں کہ

صادرِ اول وجودِ عام ہی ہے بلکہ عموم و انبساط کی نسبت ہے" (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ اختلاف کا دور ہونا ممنوع ہے کیونکہ انہوں نے وجودِ عام کو وجودِ مطلق کے مغائر نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور ہم ذاتِ اعلیٰ پر تعینِ اول کے زائد ہونے کے قائل ہیں اور اس کی اس سے مغائرت و نسبت کی زیادتی خلاف ۲۰۷ یا غیرِ وجود کی نسبت کو رفع نہیں کرتی پھر اس کے قول بل نسبۃ العموم والانبساط [بلکہ عموم وانبساط کی نسبت ہے] میں ترقی کی بے قدری پوشیدہ نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول) اور تیسری اور چوتھی صورت کی بنا پر وہ تعین حاصل نہیں ہوتی جو مرتبۂ سابقہ میں نہیں تھی کیونکہ ذات پر کوئی چیز زائد نہیں ہے (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں جب ذاتِ عُلیٰ اپنی ذات میں وجود کے سوا ہے تو اس قول کے کچھ معنی نہیں کہ ذات پر کوئی چیز زائد نہیں ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول) لیکن وجود کے مطلق وجود ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ وہ غیر متعین ہے۔" ہم کہتے ہیں کہ مطلقِ اضافی تعین کے منافی نہیں ہے اور وجودِ متعین کے محتملات میں سے ہونے کی وجہ سے لفظِ مطلق سے (مخالف کی تردید میں یہ معنی (مطلقِ اضافی) مراد لینا زیادہ مناسب ہے اور رہا مطلقِ حقیقی مراد لینا تو یہ طبعِ سلیم کے نہایت منافی ہے اس لئے کہ متعین غیر متعین کا احتمال ہرگز نہیں رکھتا، پس مخالف کا مذہب تسلیم کرتے ہوئے کہ وجود متعین ہے تو اب اس سے پوچھا جائے کہ اس متعین سے تیری مراد غیر متعین ہے یا کوئی دوسری چیز ہے۔

قولہ (اس کا یہ قول)" اور لیکن وجودِ خاص ہونے کی بنا پر پس بیشک ذاتِ محض کی طرف نسبت ہونے کے باوجود وہ ایک وجود ہے اور وہ نسبت جو غیرِ حقیقی و اعتباری کو مستلزم نہیں ہے وہ تعین زائد کو واجب نہیں کرتی۔" (اس کا جواب یہ ہے کہ) اس میں بحث ہے اول اس لئے کہ کسی چیز کی اپنی ذات کی طرف نسبت تغائر کو لازم نہیں کرتی اور وجود ذاتِ مقدس کا غیر ہے اور ذات کی طرف اس کی نسبت سے تعین حاصل ہوتا ہے اور دوسرے اس لئے کہ علم تمہارے نزدیک عینِ ذات تعالیٰ ہے اور ذاتِ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت سے تمہارے نزدیک تعین حاصل ہوتا ہے اور تیسرے اس لئے کہ غیر اعتباری نسبت کا لازم نہ ہونا ممنوع ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ ہمارے نزدیک ذاتِ عُلیٰ کی طرف وجود کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ صادر کی نسبت مصدر کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ وجود سے بے نیاز اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے پس اس صورت میں اس کے اس قول کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ" اگر یہ تعین وجود کی ذات پر زائد نہیں ہوگا تو قریب ہے کہ درمیان سے اختلاف دُور ہو جائے۔ پس وجود کے ساتھ متعین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ من حیث ھو [جس حیثیت سے کہ وہ ہے] وجود ہے لیکن

چاہئے کہ وہ وجود وجودِ محض ہو اس لئے کہ نسبت، باوجودیکہ وہ وہ ہے خصوصیت کو لازم کرتی ہے مگر یہ کہ مراد یہ ہو کہ وہ وجود ہو گیا یا موجود ہو گیا، اور وجود زائد چیز ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات تعالیٰ من حیث ھو [جس حیثیت سے کہ وہ ہے] غیر موجود ہو، پس اس کو وہ دلیلیں رد کرتی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ واجب ہی وجود ہے خواہ خاص ہو یا عام انتہیٰ"۔ آپ نے جان لیا کہ ان لائل میں سے اکثر مدخول قابلِ اعتراض ہیں پس یہ ہم پر وارد نہیں ہوتے۔

۲۰۸ قولہ" اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعین زائد ہو، اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ تعین وجودی زائد ہو" (جواباً) ہم کہتے ہیں کہ زیادتی ممکن نہ ہونے کے جوابات بھی پہلے گذر چکے ہیں پس یاد کر لیجئے۔

قولہ" پھر اس تقدیر پر کہ (اس کا وجود) زائد ہے، وہ علم میں یا خارج میں موجود ہو گا یا معدوم ہو گا"۔ (جواباً) ہم کہتے ہیں کہ یہاں ایک اور شق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ تعین ظلِ خارج میں موجود ہو اور اس کی نفی کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ" پس بیشک نفسِ امر علم اور خارج سے خالی نہیں ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے کیونکہ بعض کے افادہ کی بنا پر کلی طبیعی اس کے خارجی و ذہنی امتیازات سے قطع نظر کرنے کے باوجود نفس الامر میں ثابت ہوتی ہے اور جو دلیل اس کے ممنوع ہونے پر لائی گئی ہے وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے اور نیز اگر خارج سے علم کے ماسوا مراد لی جائے تو ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ خارج میں موجود ہے کیونکہ خارج کے لئے چند مراتب ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض کے اوپر ہیں پس ذاتِ مقدس مراتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ میں ہے اور وجود اس مرتبہ میں ہے جو کہ ذات تعالیٰ سے نیچے کا مرتبہ ہے پس یہ دونوں ایک مرتبہ میں نہیں ہیں اور اگر اس سے اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے جو کہ ذاتِ عُلیٰ کا مرتبہ ہے تو پھر علم و خارج میں حصر ممنوع ہے۔ ہم مزید کہتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ وجود علمی و خارجی مطلق وجود کی اقسام سے ہے اور مطلق اقسام سے ماوراء ہے پس چاہئے کہ وجود علم و خارج کے ماوراء ثابت ہو، اور اس معنی کی کشف اور صحیح فراست سے تائید ہوتی ہے۔

قولہ" اور پہلی صورت کی بنا پر لازم آتا ہے کہ (یہ) صفت ہو پس وہ کسی دوسرے وجود کا تقاضا کرتی ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات غیرِ وجود میں مسلم ہے اور وجود میں ممنوع ہے۔

قولہ" اور دوسری صورت کی بنا پر مرتبۂ وجود یعنی خارجی (وجود) میں تکثر (کثیر ہونا) لازم آتا ہے کیونکہ خارج میں موجود وہی ذات ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع (غیر مسلم) ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ خارج کیلئے مختلف مراتب ہوں اور وجود کا مرتبہ ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے نیچے ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

قولہ "اور برہانِ قطعی اس کی تردید کرتی ہے کیونکہ وجود سے مراد مبدأ ہی ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے اس لئے کہ مبدأ ذاتِ تعالیٰ ہے اور وجود (اُس) بے نیاز ذاتِ عالیہ سے کمالات کے افاضہ کے لئے واسطہ ہے پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر خیر و کمال اس سبحانہ وتعالیٰ سے فائض (جاری) ہے، پس وجود فیض کے پہنچنے میں واسطہ ہے کیونکہ وہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس سے اس وجود کے ملاحظہ کے بغیر تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قولہ "اور ضروری ہے کہ سب سے اول مبدأ ہو ورنہ کوئی چیز نہیں پائی جائے گی، پس یہ حکم کہ وجود زائد ہے اس کی عینیت کو لازم کرتا ہے اس لئے کہ زائد ہونے کی صورت میں اس کا کوئی مبدأ ہوگا ورنہ ص ۲۰۹ وہ بالذات واجب ہوگا اور واجب بالذات کا متعدد ہونا محال ہے اور اگر مبدأ ذات مع وجود ہو تو مبدأ دو ہو جائیں گے اور ہر دو ہونے والی چیز (جوڑا) ممکن ہوتی ہے اور یہ مشہور دلائلِ قطعیہ میں سے ہے جن کے ذکر کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود قلم سے ان کا ذکر ہو گیا ہے انتہیٰ"۔ ہم (جواباً) کہتے ہیں کہ علتِ تامہ کا مرکب ہونا اور اس کے اجزا کا متعدد ہونا محال نہیں ہے بلکہ واقع ہے اور فاعل ذاتِ واجب عزّ وجلّ ہے اس کے سوا نہیں ہے اور وجود واسطہ اور شرط ہے پس پہلی صورت کی بنا پر مبدأ کے دو ہونے اور اس کے متعدد ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور دوسری صورت کی بنا پر تعدد ممنوع ہے۔

قولہ "اور اس مقام کے مناسب امور میں سے یہ ہے کہ تعینِ اول تعینِ ذاتی سے عبارت ہے اور ہر موجود کے لئے اس کے موجود ہونے میں اس سے چارہ نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز جب تک متعین و متمیز نہ ہو کم از کم عدم سے تو وہ پائی نہیں جائے گی اور لاتعین کے معنی اس تعین کا دوسرے تعینات سے مزاحم نہ ہونا ہے بلکہ اس کا اس میں منحصر نہ ہونا اور اس کا پابند نہ ہونا ہے پس حقیقتِ الٰہیہ کے لئے تعینِ اول تمام صفات کے لئے اجمالی طور پر حقیقتِ جامعہ ہے خواہ وہ صفات فعلیہ ہوں یا انفعالیہ اور ہم نے "اجمالی طور پر" اس لئے کہا ہے کہ صفات کی تفصیل کے وقت غیر متناہی تعینات حاصل ہو جاتے ہیں اور ہم نے "تعمیم" (عمومیت) کے ساتھ اس لئے کہا ہے کہ صفاتِ فعلیہ کے ساتھ مقیدِ رب ہے اور وہ بندے سے متمیز ہے اور (اسی طرح) بالعکس ہے، تعینِ اول ذاتی سے تنزل کے بعد واجب کی حقیقت اس کی ربوبیت کے ساتھ تعین ہے، پس ربوبیت اس کا تعینِ اول ذاتی نہیں ہے (اس کو) وجود کا نام دینا بعید نہیں ہے لیکن وہ زائد نہیں ہے جیسا کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور یہ جو ان حضرات کی بعض عبارتوں میں واقع ہے کہ تعینِ اول تعینِ علمی اجمالی ہے تو یہ اس کے مخالف نہیں ہے جو ہم نے

ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ واجب کی حقیقت فقط یہی علم ہے پھر اس نے نزول فرمایا اور دوسری صفات ہو گیا کیونکہ اس مرتبہ میں جس طرح کہ وہ عین علم ہے اسی طرح وہ عین قدرت و ارادہ وغیرہا ہے یا (یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فی نفسہٖ علم کی حقیقت سے ماوراء ہے پھر اس نے نزول فرمایا اور علم کی حقیقت ہو گیا بلکہ انھوں نے اس حقیقتِ جامعہ سے تمام صفات کے ساتھ اس کا اجمال حقیقتِ علم کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس لئے کہ صفات کو جب اس مرتبہ میں ثبوت ہے اگرچہ اندراجی اور اندماجی (ایک دوسرے میں مل جانے کے طور پر) ہو اور تعدد کا ثبوت صرف علم میں ہے اور نیز علم احاطہ کے طور پر عالم اور معلوم کا عین ہے کیونکہ علم کی حقیقت کے اس حیثیت سے کہ وہ ہر معلوم کا عین ہے

۲۱۰ علم کی حقیقت سے تعبیر کرنا جائز ہے اور البتہ دوسری صفات مثلاً قدرت جیسی کہ وہ ہے تو وہ عینِ ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی عینِ مقدور ہے پس علم جو کہ تعینِ اولؔ اس علم کے سوا ہے جس کے ساتھ دوبارہ مرتبہ تفصیل میں تنزل واقع ہوا ہے اور اس مرتبہ میں بہت سے تعینات ہیں ان میں سے ایک تعین علمی ہے اس حیثیت سے کہ وہ تعین ارادی وغیرہا سے متمیز ہے، اور اس طول کلامی سے مقصود یہ ہے کہ آپ (اس سب سے حقیر مرید پر) ان مسائل میں صواب و خطا پر متنبہ فرمانے کے ساتھ احسان فرمائیں انتہیٰ۔ میں (جواباً) کہتا ہوں کہ جو کچھ اس تحقیق سے مستفاد ہوتا ہے اس کا ماحصل ذات تعالیٰ و تقدس کا اس کے مراتبِ تعینات میں حصر اور ذاتِ علیٰ کے لئے تعینات کے ماوراء مرتبہ ہونے کی نفی ہے اور لاتعین کے معنی کسی معین تعین میں اس کا منحصر نہ ہونا ہے پس تعینِ اول اجمالی طور پر صفات کی حقیقتِ جامعہ ہے اور اسی کو وجود کا نام دیا جاتا ہے پس یہ مرتبہ تعین وجودی اور تعینِ علمی اجمالی ہو گا، البتہ اس کا وجود ہونا اس لئے ہے کہ وجود حق عزوجل کی حقیقت ہے اور اس کے لئے اس مرتبہ سے اوپر کوئی مرتبہ ثابت نہیں ہے اور البتہ اس کا علمی ہونا اس لئے ہے کہ علم احاطہ کے طور پر عینِ عالم اور عینِ معلوم ہے بخلاف دوسری صفات کے کہ وہ اس کی مانند نہیں ہیں پس اختلاف رفع ہو گیا اور تعینِ اول دونوں فریق کے نزدیک ایک ہی چیز ہو گئی خواہ آپ اس کو علم کا نام دیں یا وجود کا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ شیخ (محی الدین ابنِ عربی قدس سرہٗ) اور ان کے متبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کی تنقیح ہے ورنہ یہ ایسی صلح ہے جس پر دونوں فریق میں سے کوئی راضی نہ ہو گا، اور اس جگہ چند بحثیں ہیں: اولؔ یہ کہ اُس بنا پر جو کہ اُن کے نزدیک مسلّم ہے تعینِ اجمالی و تفصیلی دونوں علمی ہیں پس اس بنا پر واجب تعالیٰ موجوداتِ علمیہ میں سے ہو گا (حالانکہ) اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ دومؔ یہ کہ یہ بات محال ہے کہ کوئی چیز اپنی ذات کے علم میں موجود ہو اور اس کے لئے اس کے وجودِ علمی کے سوا اور کوئی وجود نہ ہو اس لئے کہ

تعیناتِ خارجیہ اس تعین سے پیچھے آنے والے ہیں اور حادث ہیں۔ سوم یہ کہ جب وجود کی حقیقت موجودِ علمی ہے تو اس کے تعینات کس طرح خارجی ہوں گے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ اجمالی و تفصیلی تعین کے علاوہ (کچھ) تعینات خارجی بھی ہیں اور البتہ جو کچھ اُس سلمہ ربہٗ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کو علم کے نام سے موسوم کرنا اس سے محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ علم کی حقیقت ہے پس یہ غور طلب ہے اوّل اس لئے کہ یا اس مرتبہ میں ذات تعالیٰ کا حضور اس کے نفس کے لئے اس کے علم میں اعتبار کیا جائے جیسا کہ ان حضرات کے نزدیک مسلّم ہے یا اعتبار نہ کیا جائے اور پہلی صورت میں اس مرتبہ پر علم کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہوگا نہ کہ محض تعبیر کے طور پر، اور دوسری صورت میں اس کے نفس کے لئے اس کے حضور سے قطع نظر کرنے کے باوجود خارج میں موجود ذات پر علم کے اطلاق کا جائز ہونا ہم نہیں مانتے اس لئے ۲۱۱
کہ علم کے معنی عینِ عالم ہونا و عینِ معلوم ہونا (یعنی) دونوں کا عین ہونا دونوں کے عالم و معلوم ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ حکم کا مشتق کے ساتھ معلق ہونا علیت (علت ہونے) کا پتہ دیتا ہے، پس زید کے لئے جو کہ خارج میں موجود ہے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ علم ہے پس نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ذات کو اس کے نفس کے لئے اس کے حضور سے قطع نظر کرنے کے باوجود اس کو علم کے ساتھ تعبیر کرنا کس طرح جائز ہوگا حالانکہ تعبیرات اس مرتبہ میں ساقط ہیں، پس ظاہر ہوا کہ اس مرتبہ پر علم کا اطلاق محض تعبیر نہیں ہے جیسا کہ ان کی صریح عبارات اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ تحقیق کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کی ذات کا تعقل (سمجھنا) اس کی ذات کے ساتھ ہے اور اسی لئے وہ اس کو عقل و حضرتِ علمیہ و علمِ مطلق و وجودِ مطلق بمعنی غیر مقید بالتفصیل کا وجدان کے نام سے موسوم کرتے ہیں نقد النصوص میں کہا ہے "اور یہ معرفت کلی اجمالی معرفت ہے" اور فصوص میں ہے کہ "نسبتِ علمیہ ذاتیہ سے تعلق رکھنے والے تعینات میں سب سے اول تعین وحدۃ الحق اور اس کے وجود کا واجب ہونا اور اس کا مبدا ہونا سمجھا جاتا ہے اور خاص طور پر اس حیثیت سے کہ اس کا اپنے نفس کو فی نفسہٖ جاننا اور اس کا اپنی ذات کے واسطے سے جاننا ہر چیز کے لئے اس کے علم کا سبب ہے اور دوسرے مقام میں اس نے اس تعین کو علم وجدانی کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور نیز اس میں ہے کہ غیب ہویتِ حق سے لاتعین کے اعتبار سے اس کے اطلاق کی طرف اشارہ ہے اور وحدتِ حقیقت جو تمام نسبتوں اور اسماء و اضافات اور اعتبارات کو مٹانے والی ہے اس سے مراد حق کا اپنے نفس کو سمجھنا اور اس کا اپنے تعین اور اتصاف کی حیثیت سے اپنے نفس کا ادراک کرنا ہے اور اس (کے تعین) سے مراد نسبتِ علمیہ ذاتیہ میں وجود کا تعین ہے اور اس کے اتصاف سے مراد اپنے تعلق میں اپنے تعین کی حیثیت سے

اس کے اپنے نفس کے علم کی صورت ہے اور اس طرح کی مثالیں ان کے کلام میں بے شمار ہیں ـــــ
اور دوم اس لئے کہ اگر اس پر علم کا اطلاق مجاز کے طور پر ہو تو اس سے علم کی نفی کرنا جائز ہوگا حالانکہ بیان کے نزدیک جائز نہیں ہے اس بنا پر جو کہ پوشیدہ نہیں ہے ـــ اور سوم اس لئے کہ علم کا عالم اور معلوم کے ساتھ اتحاد صرف علمِ حضوری میں ہے اور اس علم کا جس سے بعض صفات کو بعض سے تمیز کیا جاتا ہے علم حضوری ہونا ممنوع ہے بلکہ وہ علم حصولی کے قبیل سے ہے کیونکہ اس سے معلومات کی صورتیں اور اعیانِ ثابتہ کا حصول ہوتا ہے اور اگر اس (علم) کا علمِ حضوری ہونا مان لیا جائے تو ذاتِ بحت کے ساتھ اس کا اتحاد اس کے اعتبار کو ملاحظہ کئے بغیر ممنوع ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ علمِ حضوری میں بھی اس کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کے ساتھ ہی ذات ملحوظ ہے نہ کہ ذاتِ بحت جیسا کہ بعض محققین نے اس کا افادہ کیا ہے ـ اور چہارم اس لئے کہ ایک ۲۱۳
چیز کا دوسری چیز کے ساتھ متحد ہونا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ جو اسم ان میں سے ایک کے ساتھ مخصوص ہے اس کا اطلاق دوسرے پر بھی جائز ہو، کیا تو نہیں دیکھتا کہ مثلاً ہر ایک ہنسنے والا اور چلنے والا انسان کے ساتھ متحد ہے لیکن انسان کی ماہیت پر جیسی کہ وہ ہے اس کا اطلاق جائز نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ مقید اور جزئی، مطلق اور کلی کے ساتھ متحد ہیں اس کے باوجود ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ جس حیثیت سے کہ وہ ہے جو اسماء و احکام مخصوص ہیں ان کا اطلاق دوسرے پر اس حیثیت سے جیسا کہ وہ ہے جائز نہیں ہے جیسا کہ صوفیۂ موحدہ وغیرہم نے اس کو ثابت کیا ہے ـ

ع گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی (اگر تو مراتب میں فرق نہیں کرتا تو زندیق ہے)

اور پانچویں اس لئے کہ علم میں صفات کا متعدد ہونا صفاتِ مندرجہ و مندمجہ (داخل شدہ) میں سے ہر صفت کے ساتھ علم کے اتحاد کا مقتضی ہے اور ذات تعالیٰ کے ساتھ اس کا اتحاد لازم نہیں آتا کہ اس پر اس کا اطلاق جائز ہو، یہ نہیں کہا جائے گا کہ صفت اس مرتبہ میں ذات تعالیٰ سے متمیزہ نہیں ہے، پس اس کا ان دونوں میں ایک کے ساتھ اتحاد دوسرے کے ساتھ اتحاد ہے، اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس بارگاہ میں تمیز کا بالکل مرتفع ہو جانا ان چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں بحث مباحثہ کیا جاتا ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہاں اس علمی تمیز کے سوا ایسا تمیز ہو جس کی کیفیت مجہول ہو، معلوم نہ ہو ـ اور یہ تمیزِ علمی اس تمیز کا اثر ہو اور علم کا تعلق ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ جدا جدا ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو اس کی تائید کرتی ہیں، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا علم بعینہٖ دوسرے کا علم ہے بلکہ ذات کا علم جیسی

وہ بے صفت کے علم کا غیر ہے جیسی کہ وہ ہے اگرچہ وہ اس سے غیر متمیزہ ہو جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ حیثیت کے مختلف ہونے سے علم بھی مختلف ہو جاتا ہے پس اگر کہا جائے کہ مثلاً قادر کے متعلق (ہمارا) علم اس کی ذات و صفت کا ایک ساتھ علم ہے کیونکہ قادر کے معنی وہ ذات ہے جس کو قدرت ہے تو جائز ہے کہ یہاں بھی اسی قبیل سے ہو کیونکہ اس مرتبہ میں ذات صفات کے ساتھ ملحوظ ہے اگرچہ اجمالاً ہو صفات سے معرا نہیں ہے۔ پس اس کا جواب دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اس صورت میں ذاتِ بحت کے لئے کوئی مرتبہ نہ ہوگا کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر کوئی اور مرتبہ ثابت نہیں ہوا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ کہ یہ بات غیر مسلم ہے کہ قادر کے متعلق علم ذات و صفت کا ایک ساتھ علم ہے بلکہ صرف صفت کا علم ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اربابِ معقول نے کہا ہے کہ کسی چیز کے بالوجہ علم میں فقط بالوجہ علم ہے پس ذاتِ شئی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جہل متحقق ہو گیا اور ششم اس لئے کہ اطلاق کے جواز کی صورت میں ان کے لئے خارج میں موجودات کے لئے علم کا نام دینے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ چوتھی بحث یہ ہے کہ اگر ذات تعالیٰ اپنے تعینات کے مراتب میں منحصر ہو جائے اور مطلق کا کوئی علیحدہ وجود اس کے تقییدات کے وجود
ص۲۱۳ کے ماوراء نہ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ واجب سبحانہٗ اپنے وجود میں ممکنات کے وجود کی طرف محتاج ہو اور اسی طرح تمام کمالات و صفات میں بھی اور (لازم آئے گا کہ) ممکنات کا وجود اور اس کی صفات واجب تعالیٰ کے وجود اور اس سبحانہٗ کی صفات پر مقدم ہو جائینگی اور اس کا باطل ہونا پوشیدہ ہونے سے زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ پانچویں یہ کہ یہ تحقیق اس کے مخالف ہے جو کچھ کہ قوم کے نزدیک تعینات کے ماوراء مرتبۂ اطلاق کے اثبات کے متعلق مقرر ہے اور اسی لئے وہ ذاتِ معراد محض) میں تفکر سے منع کرتے ہیں۔ نقد النصوص میں کہا ہے جب حق سبحانہٗ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اپنی عزت کے حجاب میں اس طرح ہے کہ اس کے اور ما سوا کے درمیان کوئی نسبت نہیں تو اس میں اس وجہ سے غور و فکر کرنا اور (اس کی) طلب کی طرف شوق کرنا وقت کو ضائع کرنا اور ایسی چیز کی طلب کرنا ہے کہ کلی اجمالی صورت کے سوا جس کا حاصل کرنا اور اس میں کامیابی ممکن نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر تعین کے ماوراء ایسا امر ہے کہ جس سے ہر متعین ظاہر ہوا ہے اسی لئے سبحانہٗ و تعالیٰ نے رحمت و ارشاد
لہ سورۃ ۳ آیت ۳۰ کی زبان سے فرمایا ہے: وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے] پس معلوم ہوتا ہے کہ مرتبۂ ذات موجود ہے اس میں تفکر ممکن نہیں ہے، اسے یہ کہ وہ تعبیر محض ہے اور وہ کہتے ہیں کہ لزوم احاطہ و تمیز اور مرتبۂ تعینِ اول میں تفکر کی وجہ سے اس سبحانہٗ کا علم اس کی مقدس ذات سے متعلق نہیں ہوتا اور اپنے لئے اس

سبحانہ وتعالیٰ کے علم کا احاطہ غیر ممنوع ہے اور نیز وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز اس تعالیٰ شانہ سے صادر ہوئی وہ تعین اول ہے اور وہ اس کو صادرِ اول کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ لازمی طور پر معلوم ہے کہ ہر صادر کے لئے مصدر موجود ہوتا ہے۔ لاہجی نے کہا ہے کہ "ارادۂ الٰہی و قدرتِ نامتناہی نے نفسِ رحمانی کے ساتھ جب تعین اول ایجاد کیا"، نیز انہوں نے کہا ہے کہ "اول مرتبہ جس نے اس فیض کو قبول کیا تعین اول ہے اور حدیثِ نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں ہے اول ما خلق اللہ تعالیٰ نوری (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے) اور دوسری روایت میں ہے: اول ما خلق اللہ العقل (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ عقل ہے) اور مختصر یہ ہے کہ اس مرتبہ اور اس کے بعد کے مراتب کے صادر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور یہ بات محال ہے کہ صادر بھی اور مصدر بھی ایک ہی چیز ہوں" نیز وہ کہتے ہیں کہ "تعین اول حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ اور وجوب و امکان کے درمیان برزخ ہے" فصوص میں کہا ہے کہ "یہ شرط وجودی ہی عقل اول ہے جو حق تعالیٰ اور ہر اس چیز کے درمیان واسطہ ہے جس کا قیامت تک ممکنات میں سے ہونا مقدر ہے" لاہجی نے کہا ہے کہ "ذاتِ احدیت نے جب تعینِ اول کا اقتضا کیا جو کہ وجوب و امکان کے درمیان برزخ جامع ہے" اور واسطہ اور برزخ کے لئے لازمی ہے کہ اس کے دو اطراف موجود ہوں اور مختصر یہ کہ ذات تعالیٰ کا اس کے تعینات کے مراتب میں حصر حقیقت میں ذات تعالیٰ و تقدس کی نفی ہے، پس اگر یہ کہا جائے کہ اس سلمہ ربہ (اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے) نے مرتبۂ لاتعین کو ثابت کیا ہے (تو) میں (جواباً) کہتا ہوں کہ اس نے اس مرتبہ کو اعتبار محض قرار دیا ہے اور تعینات کے ماوراء اس کا مستقل وجود ثابت نہیں کیا ہے اور اسی لئے اس نے اولِ تعینات میں وجود کی عینیت کو ثابت کیا ہے اور اگر وجود کے ماوراء کوئی مرتبہ ثابت ہو جائے تو وجود کے ماوراء جس مرتبۂ ذات کے ثبوت کا ہم نے دعویٰ کیا ہے وہ ثابت ہو جائے گا نیز اگر ان کے نزدیک تعینات کے ماوراء مرتبۂ اطلاقِ ذاتی موجود نہ ہوتا تو اس بارے میں جھگڑنے کا کوئی جواز نہ ہوتا کہ مطلق جو کہ کسی چیز کی شرط کے ساتھ نہیں ہے کس طرح موجود ہوگا باوجودیکہ مطلق مقید کے ضمن میں ہی پایا جاتا ہے اور یہ حضرات اس سے خلاصی حاصل کرنے میں حیلہ و تدبیر نہ کرتے اور بعض محققین اس کو کشف و وجدان پر محمول نہ کرتے۔ ۲۱۴

پس اگر یہ کہا جائے کہ "انھوں نے تعین اول کے ذات پر زائد نہ ہونے کا حکم لگایا ہے اس لئے وہ ذات تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوگا اور وہی موجود ہوگا تو اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور اسی لئے فصوص میں کہا ہے کہ حقیقتِ حق اس کی ذات کے سمجھنے میں اس کے تعین کی حیثیت سے اس کی ذات کے ساتھ

اس کے علم کی صورت سے عبارت ہے اس طرح پر کہ علم اور عالم اور معلوم پایا جائے" ہم کہتے ہیں کہ بیشک تعینِ اول ذاتِ مطلق کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار اور اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے جو کہ حضورِ ذاتی کے ساتھ مقید ہے پس وہ وجودِ بحت (محض) نہیں ہوگا اور رہا ان کا ذات پر زائد نہ ہونے کا حکم لگانا تو زیادہ ہونے کی نفی سے مراد خارج میں اس کے وجود کی نفی ہے پس بلاشبہ خارج میں جو موجود ہے وہ وہی ذاتِ مقدس ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ تعین بیشک علم ہی میں ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ علم کے احاطہ میں ذاتِ علیٰ کے سوا صفات و اضافاتِ متمیزہ میں سے کوئی چیز داخل نہیں ہوئی اور ان میں سے کسی چیز سے اتحاد لازم نہیں آتا اور ہم اس کو نہیں مانتے اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ایک چیز کے دوسری چیز کے ساتھ متحد ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو اسماء و احکام ایک چیز کے ساتھ جیسی کہ وہ ہے مختص ہیں ان کا اطلاق دوسری چیز پر بھی جائز ہو جیسا کہ عام و خاص اور ماہیت و عارض میں ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اور رہی فصوص کی عبارت تو وہ تعین و تقیید کی حیثیت سے حقیقت بیان کرنے کے لئے ہے جیسا کہ اس پر وہ عبارات شاہد ہیں اور ہماری گفتگو مطلق کے بارے میں ہے اور کیوں نہ ہو ورنہ ذات صورِ علمیہ متعینہ میں سے ہو جائیگی اور یہ باطل ہے پس اختلاف باقی رہے گا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ" ان حضرات نے لفظِ مطلق کا تعینِ اول پر بھی اطلاق کیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟" ہم کہتے ہیں کہ یہ وہ اطلاق ہے جس کی ضد تقیید ہے پس وہ مطلق مقید ہوا اور مرتبہ
لاتعین کا اطلاق صفتِ اطلاق سے بھی اطلاق ہے جیسا کہ تجرد و تقیید سے بھی اطلاق ہے پس وہ ۲۱۵
قطعاً مطلق ہوگا۔ محقق دوانیؒ نے کہا ہے کہ" وہ وجودِ مطلق کو یعنی وجود کو اس حیثیت سے کہ وہ ہے تجرد و اطلاق کی شرط اور اس کے علاوہ صفاتِ حقیقیہ کے عوارض کی شرط کے بغیر حق جانتے ہیں اور اس کے لئے مراتب ثابت کرتے ہیں اور مرتبۂ اول غیب ہویت ہے الخ" پس ظاہر ہوا کہ اس کے وجود میں موجودِ اصلی ان کے نزدیک بیشک وہ مرتبہ ہے جس کو وہ غیب ہویت اور وجود بحت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ تعینات سے ماوراء ہے اور تعینات اس میں اعتبارات ہیں اس لئے کہ موجود وہی تعین ہے اور لاتعین محض اعتبار ہے پس ان اکابر کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے یہ تو ان کی تحقیق ہے، اور ہمارے مذہب کی تحقیق یہ ہے کہ طالبِ یقین اور صاحبِ فطرتِ سلیمہ جب صحیح فکر اور سچے تامل کے ساتھ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا اور اپنے آپ سے انصاف کرے گا تو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کو اپنے وجود میں اپنے غیر کی طرف محتاج نہیں ہونا چاہئے اور اس کو اپنی ذات میں وجود سے خالی ہونا چاہئے

اور اس کے ثبوت میں وجود کی طرف کوئی احتیاج نہیں ہے اور نیز وہ پائے گا کہ اس سبحانہ کی ماہیت و
حقیقت وجود نہیں ہونی چاہیے اس لئے کہ وجود اپنی ذات میں مصادر و احداث میں سے ہونے کے باوجود
ہمارے لئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس واجب کی حقیقت ہے جو وجود اصلی کے ساتھ خارج میں
موجود ہے اور (نہ اس کی ضرورت ہے کہ) غیر کی طرف اس کی عدم احتیاج کے واسطے اس پر کوئی اصطلاح
قائم کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ شرع میں بھی یہ بات وارد نہیں ہوئی ہے، پس حق یہ ہے کہ اس
سبحانہ وتعالیٰ کے لئے وجود کے ماورا ایک ماہیت و حقیقت ہے جو اپنی ذات کے ساتھ ثابت ہے اور
وہ اپنے لئے وجود کے عارض ہونے سے مستغنی ہے اور جو کچھ وجود پر مترتب ہوتا ہے وہ بذاتِ خود اس
ماہیت پر مترتب ہوتا ہے پس وہ اپنی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ خواہ وہ وجود
عین کے طور پر ہو یا زائد ہو۔

اور ہمارا یہ قول کہ وہ بذاتہ موجود ہے یہ ہمارے قول ہست (ہے) کی محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وجود
امرِ زائد ہے جو اس تعالیٰ کے ساتھ ثابت و قائم ہے یا اس کا عین ہے پس اس بارگاہِ عالیہ میں جو کہ
تمام نسبتوں اور اعتبارات سے عاری ہے وجود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ وہاں عدم کی بھی
کوئی گنجائش نہیں ہے پس اس سبحانہ کے انتہائی مقدس ہونے کی وجہ سے کوئی نسبت اس کی طرف
نہیں پہنچتی کیونکہ وہ ان (نسبتوں) میں سے ہر ایک کا خالق ہے پس ہر دو نقیض اس مرتبۂ مقدسہ سے
نیچے کے مرتبہ میں ہیں، ان دونوں کا وہاں کوئی تصور نہیں ہے کہ جس سے ارتفاع نقیضین کا تصور ہو پس
تمام اعتبارات سے عاری ذات کے مرتبہ میں کسی چیز کے لئے دوسری چیز کے ساتھ تناقض نہیں ہو کہ ارتفاع
نقیضین کو محال سمجھا جائے کیونکہ ارتفاع و ثبوت ان اعتبارات اور نسبتوں میں سے ہے جو اس بارگاہ سے منتفی
ہیں، کیا تو اس کو نہیں دیکھتا جو کہ بعض محققین نے افادہ کیا ہے کہ جسم اپنے وجود کے اس مرتبہ میں جو بیاض پر سابق ہے ط۲۱۶
نہ ابیض ہے اور نہ ہی لا ابیض ہے اور یہ ارتفاع نقیضین محال نہیں ہے اس لئے کہ محال ان دونوں کا
مطلق نفس الامر کے اعتبار سے ارتفاع ہے نہ کہ مراتب میں سے کسی مرتبہ کے اعتبار سے کیونکہ جن امور کے
درمیان تقدم و تاخر و معیت کا تعلق نہیں ہے ان میں سے بعض کے لئے دوسرے کے مرتبہ میں نہ کوئی
وجود ہے اور نہ کوئی عدم ہے انتہیٰ۔ پس جب ممکنات میں ان جیسے امور کی گنجائش ہے تو پھر ممکنات کے
خالق تعالیٰ و تقدس کی شان میں تیرا کیا گمان ہے وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی [اور اللہ تعالیٰ کے لئے سورۂ نحل آیت ۶۰
اعلیٰ مثال ہے] پس اس بنا پر ذاتِ مقدس کے غیر کی طرف محتاج ہونے کی نفی کرنے کے لئے اس پر کسی
ایسے لفظ کے اطلاق کی ضرورت نہیں جس کا لغوی مفہوم معقولات ثانیہ اور ان معانی میں سے ہو جو

غیر کے ساتھ قائم ہیں۔ . . . .

. . . .

. . . اور اگر ایسا ہوتا تو صاحبِ شرع ذاتِ منزہ کو وجود کے ساتھ تعبیر کرنے اور اس کی خبر دینے کے زیادہ حقدار تھے جیسا کہ اس (تعالیٰ شانہٗ) کے تمام اسماء و صفاتِ کمالات کی تعبیر کی خبر دی ہے اور جب یہ نہیں ہے تو وہ بھی نہیں ہے۔ پس اللہ عزوجل اپنی ذاتِ عُلیٰ کے ساتھ اپنے لئے وجود کے عارض ہونے سے بے نیاز ہے، پس جو چیز وجود پر متفرع ہوتی ہے وہ اس سبحانہٗ پر متفرع ہوتی ہے اور یہی حال تمام صفات کے بارے میں ہے پس جو کچھ ان صفات پر متفرع ہوتا ہے اس کی ذاتِ عُلیٰ اس میں کافی ہے اور اس کے باوجود اس سبحانہٗ کے لئے صفاتِ ازلیہ موجود ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اس لئے کہ یہ بات شرع میں وارد ہوئی ہے اور جبکہ اس سبحانہٗ کی عادتِ جاریہ ہے کہ جو چیز عالمِ حقیقت میں ثابت ہو اس کے لئے عالمِ مجاز میں کوئی نمونہ بنائے تاکہ اس سے اس پر استدلال کیا جائے تو اس نے وجود کو اپنے وجود اور اپنی ذات کا نمونہ بنایا نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ وجود اگر پایا جائے تو وہ وجود کے بغیر اپنی ذات کے ساتھ موجود ہوگا المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (مجاز حقیقت کا پل ہے) پس ذاتِ غنی و اعلیٰ پر وجود کے زائد ہونے اور وجود کے اس کا عین نہ ہونے کے بارے میں ہم جمہور متکلمین سے موافقت کرتے ہیں لیکن ہم ذاتِ مقدس کے وجود کی طرف محتاج ہونے اور اس کے بذاتہ کامل ہونے کے باوجود غیر کے ساتھ اس کے کمال حاصل کرنے کے قائل نہیں ہیں، اور ہم امید کرتے ہیں کہ زیادتِ وجود سے سلف کی مراد یہی معنی ہیں اگرچہ اُن سے اس بارے میں کوئی روایت ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ سلف سے اس بارے میں کوئی نقل نہیں ہے بلاشبہ یہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ سبحانہٗ میں سے متاخرین کا قول ہے بخلاف زیادتِ صفات کے کہ بیشک نصوص ان کے لئے مددگار ہیں پس حاصل یہ ہے کہ بیشک حق عزوجل اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اُس کی ساتوں بلکہ آٹھوں صفات ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ وجود کے بغیر موجود ہیں پس وجود جس طرح مرتبہ ذاتِ مقدس سے نیچے کے مرتبہ میں ہے اسی طرح اُس کی صفاتِ حقیقیہ سے بھی نیچے کے مرتبہ میں ہے پس جب حضرتِ ذاتِ مقدس اور صفاتِ عالیہ میں وجود درمیان میں نہیں آتا تو وجوب اور امکان بھی درمیان میں نہ آئیں گے اس لئے کہ امکان اور وجوب ماہیت اور وجود کے درمیان نسبت ہیں پس جب وجود نہیں ہے تو نہ وجوب ہے نہ امکان، لہٰذا اس تحقیق سے وہ سخت اشکال دور ہوگیا جو صفاتِ حقیقیہ پر وارد کیا جاتا ہے کہ وہ یا تو اپنی ذوات کے اعتبار سے ممکنہ ہیں یا واجبہ ہیں پہلی صورت کی بنا پر ان کا حادث ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے اور ان کا ذات سے جدا ہونا لازم آتا ہے

پس اس سے حق تعالیٰ کے جہل و عجز کا جواز لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے اور دوسری
صورت کی بنا پر واجب لذاتہ کا متعدد ہونا لازم آتا ہے جو کہ توحید کے منافی ہے۔ ہمارے شیخ و امام
امامِ ربانی مجدد الف ثانی (قدس سرہٗ) نے فرمایا "پس اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات و صفات اُن تینوں منحصرہ
صورتوں سے بالاتر ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب اس ذات تعالیٰ کا تصور کیا جائے اور اس سبحانہٗ کی صفات
کا وجوہ اور اعتبارات کے لحاظ سے تعقل کیا جائے کیونکہ کنہ (حقیقت) کی طرف کوئی سبیل نہیں ہے تو تصوری
ظلی وجود میں ذات سبحانہٗ کے لئے وجوب عارض ہوگا، کیونکہ وہی (وجوب) اس تعالیٰ کے غنا کے لائق اور
مناسب ہے، اور وجود ذہنی کے ساتھ اس سبحانہٗ کی صفات کے لئے امکان عارض ہوگا، کیونکہ ذات کی طرف
اس کے محتاج ہونے کی وجہ سے وہ (امکان) ہی اس کے مناسب ہے، پس اس تعالیٰ شانہٗ کی ذات اور
اس سبحانہٗ کی صفات اپنی ذوات کی حد میں وجوب و امکان کے مرتبہ سے اوپر ہیں بلکہ مرتبۂ وجود سے بھی اوپر ہیں
اور وجودِ تصوری ظلی کے اعتبار سے وجوب ذات تعالیٰ کے مناسب ہے اور امکان صفاتِ تعالت و
تقدست کے مناسب ہے پس صفات تعالت وجودِ خارجی کی حیثیت سے نہ واجبہ ہیں نہ ممکنہ بلکہ یہ وجوب و
امکان سے اوپر ہیں اور وجودِ ذہنی کے اعتبار سے ممکنہ ہیں اور اس امکان سے حادث ہونا لازم نہیں آتا
اس لئے کہ یہ اُن (صفات) کی ذوات کے لئے نہیں ہے جیسا کہ ممکنات کے لئے ہے بلکہ ان کے ظلی وجودات
کیلئے ہے اور یہ معرفت اربابِ معقول کے اس قول کے مناسب ہے کہ کلیت و جزئیت ——
وجودِ ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے ماہیت کے لئے عارض ہوتی ہیں، پس وجودِ خارجی کی حالت
میں ماہیت ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں ہوتی ہے مثلاً زید جو خارج میں موجود ہے
تعقل سے پہلے وہ جزئی نہیں ہے جیسا کہ وہ بلاشبہ کلی بھی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے وجود ذہنی ظلی کے
بعد جزئیت عارض ہوتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صفات ثمانیہ موجودہ کے علاوہ تمام انتسابات و اضافات
اور احکام و اعتبارات جن کا اس تعالیٰ شانہٗ پر حمل کیا جاتا ہے مثلاً الوہیت و ربوبیت و اوّلیت و
۲۱۸ ازلیت اس سبحانہٗ و تعالیٰ پر ان کا اطلاق تصور و تعقل کے اعتبار سے ہے ورنہ ذات جس حیثیت سے
کہ وہ ہے کسی صفت کے ساتھ متصف اور کسی اسم کے ساتھ موسوم اور کسی حکم کے ساتھ محکوم نہیں ہے
پس بیشک صاحبِ شرع تعالیٰ شانہٗ نے اپنی ذات پر اسماء و احکام کا اطلاق تناسب و تشابہ کے
اعتبار سے کیا ہے تاکہ مخلوق کی عقلوں کے قریب ہو جائے اور ان کے ساتھ کلام کرنا ان کی عقلوں
کے اندازے کے مطابق ہو، جیسا کہ زید کے لئے جو کہ وجود ذہنی کا لحاظ کئے بغیر خارج میں موجود ہے
تشبیہ و تنظیر کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جزئی ہے اور ان کا جزئی ہونے کا حکم لگانا ان کے

یہ حکم لگانے سے کہ وہ کلی ہے، انسب و اشبہ ہے پس اسی طرح ذاتِ غنی و علی پر وجوب و وجود کا حکم لگانا امکان و امتناع کا حکم لگانے سے اولیٰ و انسب ہے ورنہ اس ذات مقدس تعالیٰ کی بارگاہ میں نہ وجوب پہنچتا ہے نہ وجود جیسا کہ اس تعالیٰ کی جناب تنزیہ میں نہ امکان مناسب ہے نہ امتناع، پس اس بزرگ و مقدس معرفت کو سمجھ لیجئے کیونکہ یہ دین کی بنیاد اور ذات و صفاتِ تعالت و تقدست کے علم کا خلاصہ ہے اور علماء و اکابر میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی، اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کو اس معرفت کے ساتھ نشاندہی فرمائی ہے اور اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے سلام ہو"۔ (انتہیٰ)

اور ان چیزوں میں سے جن کا ہمارے شیخ و امام (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ السامی نے افادہ کیا ہے ایک یہ ہے کہ صفاتِ حقیقیہ مرتبہ ذات میں موجود ہیں اور ان (صفات) کے اثبات سے اس بارگاہِ عالیہ میں ہرگز کوئی تعین و تنزل حاصل نہیں ہوا اور صفات کے حضرتِ ذات میں مندرجہ کمالات کیلئے تفاصیل ہونے کے باوجود ان سے ہرگز کوئی دوسرا مرتبہ حاصل نہیں ہوا، پس ان کا حکم تمام اجمالات و تفصیلات کے احکام سے ممتاز ہے کیونکہ ان میں ہر ایک کا مرتبہ دوسرے کے مرتبہ سے ممتاز ہے پس تفصیل کا مرتبہ اجمال کے مرتبہ سے نیچے ہے اور یہ معنی اس مقدس بارگاہ میں مفقود ہیں اور تفصیل مرتبہ اجمال میں ثابت ہے اور اس مرتبہ کا ثبوت علم اور خارج سے ماوراء ہے اور وجود ذہنی اور خارجی کی تقسیم بلاشبہ مرتبہ امکان میں ہے پس اس بارگاہ میں نہ خارج کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ علم کے لئے اس لئے کہ جب وہاں وجود کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے تو وجودِ خارجی و علمی تو اس کی فرع ہے اور یہ بلکہ وہ تمام جو عنقریب آئے گا معرفت کشفی ہے، اور یہ جو ہم نے وجود وغیرہ کی تحقیق اور صفات کے اثبات کے بارے میں ذکر کیا ہے حالانکہ جو کچھ کہ صفاتِ عالیہ پر مترتب ہوتا ہے اس کے بارے میں ذاتِ مقدس کافی ہے؟

۲۱۹ تو یہ ذوقی و کشفی امور ہیں اور ان کے اثبات میں جو کچھ لایا جاتا ہے یہ بدیہیات پر تنبیہات کی قسم سے ہے جن میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور علمِ واجبی جو کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں ان صفات کے ساتھ متعلق ہے علمِ حضوری کے مشابہ ہے جیسا کہ اس سبحانہ کا علم اپنی ذاتِ علیٰ اور اپنے اُن کمالات کے ساتھ ہے جو کہ ذات میں مندرج ہیں اور یہ صفات مع ان کی زیادتیوں کے گویا کہ وہ نفسِ عالم ہیں اور اُن کا حضور نفسِ عالم کا حضور ہے، پس یہیں سے صوفیہ کرام کا ایک بہت بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ صفات ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ عینیت رکھتی ہیں اور وہ ان کی غیریت کی نفی کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیٰ اجمعھم عموماً و علیٰ افضلھم خصوصاً الصلوات والبرکات والتحیات (ان سب پر بالعموم اور ان میں سب سے افضل پر خاص کر رحمتیں و برکات اور سلامتیاں ہوں) کے علوم کے مذاق کے عین موافق اور اہلِ سنت و جماعت

شکر اللہ تعالیٰ سعیہم [اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے] کی آراء کے مطابق یہ ہے کہ اُن (صفات) کی غیریت کی نفی کا قائل ہوتے ہوئے اُن (صفات) کی عینیت کی نفی بھی کی جائے اور یہ کہا جائے، لاھو ولا غیرہ [نہ وہ (ذات) ہی ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں] اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ ان (صفات) کا علم اس (ذات) کا عین نہ ہونے کی وجہ سے علمِ حضوری کے مشابہ ہے اور جبکہ اس سے صورۃً الگ نہیں ہے اور ان کی ذات کا حضور موجود ہے تو یہ علمِ حضوری کی قسم سے ہوگا اور اس سے نقیضین کے ارتفاع کا وہم نہ کیا جائے اس لئے کہ تناقض (ٹکراؤ) کے حصول میں زمان و مکان کا اتحاد شرط ہے اور اس بارگاہِ مقدس میں زمان و مکان بالکل نہیں ہے پس تناقض متصور نہیں ہے اور لفظ غیر میں جو تصرف کیا جاتا ہے اور غیر سے اصطلاحی غیر مراد لیا جاتا ہے تو کشفی نظر اس تخصیص کی نفی کرتی ہے اور غیریت کی بھی نفی کرتی ہے خواہ کسی معنی میں ہو کیونکہ بلاشبہ اربابِ کشف ذوق و فراستِ صحیحہ سے جو کہ مشکوٰۃِ نبوت سے اخذ کی گئی ہے یہ بات پاتے ہیں کہ صفات جس طرح اپنے زائد ہونے کی وجہ سے عین ذات نہیں ہیں اسی طرح غیرِ ذات بھی نہیں ہیں اگرچہ وہ (ذات پر) زائد ہیں اور ان دونوں (ذات و صفات) میں دوئی کی نسبت ہے، پس اُس بارگاہ میں اربابِ معقول کا یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ دو چیزیں آپس میں متغائر ہوتی ہیں۔

جب تو نے یہ سمجھ لیا تو جان لے کہ بلاشبہ اس مرتبۂ مقدسہ کیلئے جو کہ صفاتِ حقیقیہ تعالت و تقدست کے ساتھ ذات کا مرتبہ ہے مرتبۂ ثانیہ میں کسی تغیر و تبدل کے بغیر ایک ظہور ہے اور یہ مرتبہ مرتبۂ وجود ہے جو کہ خیرِ محض اور کمالِ صرف ہے اور وجود کے سوا کسی چیز میں بھی ظلیت کے طور پر تمام کمالات کا مظہر ہونے کی قابلیت نہیں ہے اور اسی لئے اگر علم اس مرتبۂ مقدسہ کے ساتھ متعلق ہو جائے اور اس کے کمالات جدا ہو جائیں تو جو چیز اس (ذات) سے سب سے پہلے جدا ہوگی وہ حضرتِ وجود ہے اور دوسرے کمالات اس کے تابع ہیں اور اسی لئے صوفیۂ کرام وغیرہم کی ایک جماعت ذاتِ مقدس کے لئے وجود کے ۲۲۰ عین ہونے کی طرف گئی ہے اور اس کے تعین ہونے کے باوجود انھوں نے اس کو لا تعین تصور کیا ہے اور اس تعینِ وجودی کا ثبوتِ علم اور خارج کے ماوراء ہے اس لئے کہ خارجی اور علمی وجود مطلق وجود کی اقسام میں سے ہیں اور منقسم کا مرتبہ اقسام کے مرتبے سے اوپر ہوتا ہے پس حضرتِ وجود اس حیثیت سے کہ وہ ان دونوں وجودوں پر سبقت رکھتا ہے اور وہاں نہ خارجی وجود متصور ہے اور نہ ذہنی وجود جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اور حضرتِ وجود ظلیت کے طریق پر تمام کمالاتِ ذاتیہ و صفاتیہ کا اجمالی اور تفصیلی طور پر جامع ہے پس اجمال تعینِ اول ہے اور تفصیل گویا کہ تعینِ ثانی ہے، پس وجود کے مرتبۂ اجمال میں ایک کمال

دوسرے کمال سے اور ایک صفت دوسری صفت سے متمیز نہیں ہوگی اور وجود کے مرتبہ تفصیل میں کمالات ممتاز ہو جاتے اور صفات ظاہر ہو جاتی ہیں پس وجود کی تفصیل میں پہلی چیز جو ثابت ہوئی ہے حیات (زندگی) ہے جو کہ تمام صفات کی ماں ہے اور یہ صفت گویا کہ اس صفتِ حیات کا ظل ہے جس کے لئے حضرتِ ذاتِ منزہ کے مرتبہ میں ثبوت ہے اور اس کے حق میں لاھو ولا غیرہ [نہ وہ عین ذات ہے اور نہ اس کا غیر ہے] صادق آتا ہے اور چونکہ اس ظل کا ثبوت اس مرتبہ میں ہے جو مرتبہ ذات تعالیٰ سے نیچے ہے اس کے حق میں لاھو [وہ عین ذات نہیں ہے] صادق آتا ہے اور لا غیرہ [اور اس کا غیر نہیں ہے] صادق نہیں آتا بلکہ ذاتِ حق عزوجل سے مغائر ہوگا اور تمام صفاتِ تعالت کا یہی حال ہے، اور صفتِ حیات کے بعد صفتِ علم ظاہر ہوئی ہے پھر دوسری صفات یعنی ارادہ و قدرت وغیرہ اور علم تعینِ وجودی کا جزو اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ ہونے کے باوجود تمام صفات کا جامع ہے اور دوسری صفات اپنے استقلال کی وجہ سے گویا کہ صفتِ علم کے اجزاء ہیں اس لئے کہ اس صفت کے لئے اس کے موصوف کے ساتھ ایک قسم کا اتحاد ہے، یہ اتحاد اس کے غیر کے لئے نہیں ہے کیونکہ علم، عالم اور معلوم کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور قدرت قادر و مقدور کے ساتھ متحد نہیں ہوتی اور اسی طرح ارادہ و سمع (سننا) وغیرہما موصوف کے ساتھ متحد نہیں ہوتے اور صفتِ علم کے لئے اس کی جامعیت کے ساتھ اجمال ہے جس میں صفات متمیزہ ظاہر نہیں ہوتیں اور تفصیل ہے جس میں کمالاتِ متمیزہ ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ وجود کے لئے اور اس کے اجمال کے لئے دائرہ کے مرکز کا حکم ہے اور اس کی تفصیل کے لئے اس (دائرہ) کے محیط کا حکم ہے پس یہاں سے وہ (اعتراض) بھی دور ہو جاتا ہے جو کہ وارد کیا جاتا ہے کہ تمام صفات سے حیات کا متمیز ہونا علم کی تفصیل میں ہے جس کو واحدیت کہتے ہیں اور البتہ مرتبۂ اجمال میں تو وہاں ایک صفت کے لئے دوسری صفت سے تمیز نہیں ہے پس اُس کی بنا پر جو کہ ہمارے شیخ و امام (مجدد الف ثانی) قدس سرہٗ کی عبارتوں میں واقع ہے علمِ اجمالی پر حیات کے مقدم ہونے کا حکم کس طرح لگایا جا سکتا ہے اور اس اعتراض کرنے والے پر تعجب ہے کہ وہ اس طائفہ کی اصطلاح کو جو کہ مخالف کے نزدیک غیر مسلم ہے اس کے خلاف حجت کے طور پر کس طرح وارد کرتا ہے، اور اس قسم کی باتیں مخالف کے مذہب کی حقیقت اور اس کی اصطلاح پر اطلاع

۲۲۱ نہ ہونے کی وجہ سے ہیں پس وہ اپنی جہالت کو اعتراض شمار کرتا ہے، اور تو نے جان لیا کہ وہ تمیز جو صفتِ حیات کے لئے وجود کی تفصیل میں اس کے حضرتِ اجمال میں مندرج ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ علمِ اجمالی و تفصیلی پر سبقت رکھتی ہے، پس حاصل یہ ہے کہ وہاں پر دو تفصیلیں

ہیں، ایک تفصیل ان کمالات کی ہے جو وجود کے اجمال میں مندرج ہیں اور حیات وہاں علم پر اپنی دونوں قسموں کے ساتھ مقدم ہے، اور دوسری تفصیل حضرتِ علم میں ہے جبکہ وہ اس کے اجمال میں مندرج ہو جائے اور حیات یہاں پر علم سے مؤخر ہے پس علمِ محاط (احاطہ کیا ہوا علم) حیات کے ساتھ مسبوق ہے (یعنی حیات اس پر سبقت رکھتی ہے) اور محیط (احاطہ کرنے والا) اس پر سبقت رکھتا ہے، اور تجھے معلوم ہے کہ صفتِ حیات جو علم سے مسبوق ہے (یعنی علم جس پر مقدم ہے) وہ حقیقت میں صفتِ حیات نہیں ہے بلکہ اس صفت کی صورتِ علمیہ ہے پس صفتِ حیات البتہ علم پر مقدم ہے اور اس کی صورتِ علمیہ علم کے بعد ہے اور ان تمام باتوں سے جو ہم نے ذکر کی ہیں قطعِ نظر کرنے کے باوجود بس شانِ حیات کا شانِ علم پر مقدم ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو فطرتِ سلیمہ رکھنے والے کے نزدیک دلیل و تنبیہ کی طرف محتاج نہیں ہیں۔ اور میرے شیخ و امام (مجدد الف ثانی) قدسنا اللہ بسرہ السامی نے کسی دوسرے مقام پر ایک اور افادہ کیا ہے کہ حقیقۃ الحقائق اور حقیقتِ محمدیہ علی مظہرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ تعین اور ظہورِ حُبّی ہے اور حُب (تمام) ظہورات کا مبدأ اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے، حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے: کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف [میں ایک مخفی خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ میں پہچانا جاؤں] پس اگر یہ حُب نہ ہوتی وہ ہرگز کسی موجود کو پیدا نہ کرتا پس یہاں سے لولاک لما خلقت الافلاک [اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا] کا بھید ظاہر ہو گیا اور ایک روایت میں ہے لما اظہرت الربوبیۃ [میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا] اور یہ حُب مرکز ہے اور اس کا محیط خُلّت ہے جو اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے پس مرکز حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کا محیط وہ دائرہ ہے جو کہ اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے اور خُلّت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت اور ان کے تعین کا مبدا ہے اور جائز ہے کہ خُلّت تعینِ ثانی ہو لیکن کشفی نظر میں یہ مرکز اور محیط ایک ہی تعین ہے اور تعینِ ثانی کشفی نظر میں تعینِ وجودی ہے جو اپنی اصل کے عنوان کے ساتھ جو کہ تعینِ حُبّی ہے اس اصل کے ظہور سے پہلے ظاہر ہوا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ حُب وجود کی فرع ہے کیونکہ وجود کے بغیر حب کا تصور نہیں کیا جا سکتا، تو حُب وجود کی اصل کس طرح ہو گی۔

ہم (جواباً) کہتے ہیں، پہلے گذر چکا ہے کہ حق جل سلطانہٗ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس کی صفاتِ ثمانیہ تعالت (آٹھ صفات) ذاتِ حق کے ساتھ موجود ہیں اور وہاں وجود اور وجوب کے لئے کوئی ۲۳۲
گنجائش نہیں ہے بلکہ وجود و وجوب اعتبارات میں سے ہیں جو کہ اس بارگاہ سے نیچے کے درجے میں ہیں

پس پہلا اعتبار جو ایجادِ عالم کے لئے ظاہر ہوا وہ حُبّ ہے اس کے بعد وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے اس لئے کہ ان دونوں اعتبارات کے بغیر اس مرتبۂ مقدسہ کو ایجادِ عالم سے غنائے ذاتی ہے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ [بیشک اللہ تعالیٰ البتہ عالمین سے غنی ہے]

اور اگر تُو اس مقام کی تفصیل اور اس مقصد کی پورے طور پر تحقیق کرنا اور مقامِ خُلّت و حُبّ و وجود کی حقیقت جاننا چاہتا ہے تو تجھ پر امامِ غوث الانام ہمارے شیخ و قبلہ (مجدد الف ثانی) جزاہ اللہ سبحانہ عنا خیر الجزاء [اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے] کے کلام کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ اور جان لے کہ تعینِ علمی اجمالی جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہی ہے جس کو شیخ (محی الدین ابنِ عربیؒ) اور ان کے متبعین قدس اسرارہم نے وحدت و تعینِ اول و حقیقتِ محمدیہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تعینات میں سب سے زیادہ وسیع ہے اور وہی مشہودِ کل ہے اور وہی تجلی ذاتی ہے اور اس کے لئے توحید کا اعلیٰ مقام اور اس کا مبدأ ہے اور وہ اعتبارات کا ماخذ اور اُن انتسابات و اضافات کا منبع ہے جو جود میں ظاہر اور عقلوں اور ذہنوں کے میدان میں باطن (پوشیدہ) ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ وجودِ مطلق واحد واجب ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ پر اسمِ ذات کا اطلاق اس تعین کے اعتبار ہی سے صادق آتا ہے اس کے علاوہ نہیں اور اس کے ماوراء مرتبۂ لاتعین اور وجودِ مطلق ہے۔ پس میں کہتا ہوں کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ انھوں نے نسبتوں اور اضافتوں سے پاک ذات کے لئے اس کی صفات میں سے کسی صفت کے تعین ہونے کا کس طرح حکم کیا ہے بلکہ اظہر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ تعین صفتِ علم کا تعین ہے اور اس کا ظہور مرتبۂ ثانیہ میں ہے اور صفت حقیقت میں موصوف کا غیر ہے اور مناسب نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس صفت کے ساتھ ذات کا تعین ہے کیونکہ ذات صفت کے ساتھ متعین نہیں ہوتی اور اربابِ معقول نے کسی چیز کے بالوجہ علم کے بارے میں کہا ہے کہ معلوم وہی وجہ ہے پس چیز کی ذات کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے جہل متحقق ہوگا اور ثابت شدہ امر کے ساتھ متحقق ہو چکا ہے کہ یہ تعین اس وجود کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے جو کہ وجود کی تفصیل میں متمیز و متعین ہو گیا ہے لیکن وہ سب سے زیادہ جامع حصہ ہے اور وہ صفتِ حیات کے بعد ہے اور حیات وجود کے اجمالی و تفصیلی دونوں مرتبوں کے بعد ہے اور وجود خُلّت کے بعد ہے اور خلت حُبّ کے بعد ہے اور حُبّ تعینِ اول ہے اور سب سے پہلا اعتبار ہے پس تعینِ علمی اجمالی تعینِ اول سے چھ مراتب نیچے ہے اور اس مرتبہ سے جو اس سے اوپر ہے سات مراتب نیچے ہے اور اُن چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ

۲۲۳ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق عزّ وجلّ نیچے اتر آیا پس وہ حُبّ یا وجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرامؑ کی زبان کے زیادہ مناسب ہے علی اجمعھم عموما و علی خاتمھم خصوصا الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات (ان سب پر بالعموم اور ان کے خاتم پر بالخصوص رحمتیں اور سلام و برکات نازل ہوں)

مکتوب ۸۶

مولانا محمد حنیف کے نام نسبتِ قیومیت کے حاصل ہونے اور اصالت و محبوبیتِ ذاتی و کمالِ انفعالی سے حصہ پانے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، برادرِ عزیز مولانا محمد حنیف اس مسکین سے دعا و سلام مطالعہ کرنے کے بعد معلوم کریں کہ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرّہ الاقدس نے اپنے مخلصوں میں سے ایک درویش کو خلعتِ قیومیت سے نوازا اور اس کو اس امرِ عظیم سے سرفراز فرمایا، اس درویش کو خلوت میں طلب کر کے فرمایا کہ اس مجمعگاہ (دنیا) کے ساتھ میرے ارتباط کا تعلق یہی قیومیت کا معاملہ تھا ہے جو کہ تجھ کو عطا کر دیا گیا ہے اور مکونات (موجودات) پورے شوق کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہو گئے ہیں، اب میں اس فانی دنیا میں اپنے رہنے کا کوئی سبب نہیں پاتا ہوں۔ اور اس پُر آشوب دنیا سے اپنے رحلت فرمانے کا وقت قریب ہونے کی بابت فرمایا، وہ زخمی دل درویش اس مذکورہ بشارت کے سننے کے باوجود جگر سوختہ اور چشم پُرنم ہو کر اپنے اندر نہایت غم و اندوہ میں ڈوب گیا نہ زبان کو کہنے کی طاقت رہی اور نہ ہی کانوں کو سننے کی تاب رہی جب حضرت عالیؒ نے اس تبدیلی کو اس مسکین میں مطالعہ کیا (تو) نہایت مہربانی سے فرمایا غم مت کر، اللہ تعالیٰ کی سنت (طریقہ) اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ کسی ایک کو اپنے پاس بلاتے ہیں اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر بٹھاتے ہیں، اور نہایت لطف و مہربانی سے اس عزیز کی عبارت کو جو کہ وہ نفحات میں لاتا ہے زبانِ مبارک پر جاری فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا لیا گیا اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) آپ کی جگہ بیٹھے (پھر حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو اٹھا لیا گیا اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ پر بیٹھے اور (پھر حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کو اٹھا لیا گیا (اور حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ پر بیٹھے اور (پھر حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کو اٹھا لیا گیا اور (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ان کی جگہ بیٹھے

اُس درویش نے چونکہ اس معنی کی کوئی قابلیت اپنے اندر نہیں پائی اور مذکورہ رنج و غم بھی اس کے دل میں چھپا ہوا تھا ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہا اور جن امور کا انکشاف ضروری تھا درمیان میں لایا، یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عالیؒ نے فرمایا کہ اشیا میری قیومیت سے تیری قیومیت کے ساتھ زیادہ ۲۲۳
راضی اور خوش ہیں (یہ درویش) اس کی لِم و علت کو پوچھنے کی بھی جرأت نہ کر سکا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وحشی گذشت یار و نکردی حکایتے | اے خان و مان خراب زبانِ تو بستہ بود

(اے وحشی! یار گزر گیا اور تو نے کوئی بات بھی نہ کی - اے خانماں برباد کیا تیری زبان بندھی ہوئی تھی؟) جب حضرت عالی (قدس سرہٗ) نے اس درویش کا غم بہت ہی زیادہ دیکھا تو فرمایا کہ "میرے رحلت کرنے میں قدرے مُہلت: تاخیر) ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کیا تعلق درمیان میں ہے" متوجہ ہو کر ایک لمحہ کے بعد فرمایا "میرے وصال کے دنوں تک تیرا قیام میرے ساتھ ہوگا اور افرادِ عالم کا قیام تیرے ساتھ ہوگا۔ یہ قول اس مسکین کے غمگین دل کو قدرے تسکین دینے والا ہو گیا، اس ماجرا (واقعہ) کے ایک سال اور چند روز کم تین ماہ بعد حضرت عالیؒ کے وصال) کا واقعہ پیش آیا کیونکہ یہ گفتگو سن ایک ہزار تیس (۱۰۳۲ھ) کے ماہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں ہوئی تھی اور اس ہادیٔ انام کا ارتحال (وصال) اٹھائیس[۲۸] صفر سن ایک ہزار چونتیس (۱۰۳۴ھ ہجری) کو ہوا تھا۔ اس خلعت کے عنایت فرمانے سے دس گیارہ سال پہلے جس زمانہ میں وہ درویش چودہ سال کی عمر کے لگ بھگ تھا آپ کی خدمتِ اشرف میں اس نے عرض کیا تھا کہ میں اپنے اندر سے ایک نور پاتا ہوں کہ تمام دنیا اس سے منور ہے اور وہ نور ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں آفتاب کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے اگر وہ نور ختم ہو جائے تو دنیا تاریک ہو جائے حضرت عالیؒ نے اس کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ تو اپنے وقت کا قطب ہوگا اور میری یہ بات یاد رکھ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پوری ہو گئی اور بشارت کا اثر حاصل ہو گیا کیونکہ قطب ہونا قیومیت کا ایک شعبہ ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیوم اس عالم میں حق جل و علا کا خلیفہ اور اس کا نائب مناب (قائم مقام) ہوتا ہے، اقطاب و ابدال اس کے دائرۂ ظلال میں داخل اور افراد و اوتاد اس کے کمال کے محیط میں شامل ہوتے ہیں، تمام افرادِ عالم اس کی طرف رُخ رکھتے ہیں اور اہلِ جہان کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں بلکہ اہلِ عالم کا قیام اسی کی ذات سے ہے اس لئے کہ افرادِ عالم چونکہ اسماء و صفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات ان کے درمیان کائن (موجود) نہیں ہے (اس لئے) سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض و اوصاف کو ذات و

جوہر کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ اُن کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو ذات سے حصہ عطا فرما کر اس کو ایک ایسی ذات عطا فرماتے ہیں کہ وہ نیابت وخلافت کے طور پر اشیاء کا قیوم ہو جاتا ہے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نسبتِ قیومیت کا حاصل ہونا کسی شخص کو اس وقت تک میسر نہیں ہے ۲۲۵
جبتک وہ اصالت سے کچھ حصہ نہ رکھتا ہو، اُن عالی حضرت و متعالی منقبت (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے جس درویش کو نسبتِ قیومیت کے حاصل ہونے کی بشارت دی تھی اس کو مقام اصالت کے ثابت ہونے کی خوشخبری کے ساتھ بھی سربلند کیا اور نیز فرمایا کہ جس قدر تو اصالت سے حصہ رکھتا ہے اسی کے موافق محبوبیت کی فطرت تیری ذات میں ودیعت کی گئی ہے یعنی محبوبیتِ ذاتی و کمالِ انفعالی کی بھی اس کے حق میں نشاندہی فرمائی ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ [اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں ہے]۔ سورۃ ... آیت ۲۰

مکتوب ۸۷

میر منصور کے نام اُن امور کے بیان میں تحریر فرمایا کہ جن کی تبلیغ ضروری ہے۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: جو آیتِ کریمہ ان کفار اہلِ کتاب کے بارے میں (نازل ہوئی) ہے جو کہ حیلہ و مکر کے ساتھ اہلِ اسلام کو کفر و ارتداد پر رہنمائی کرتے تھے آپ نے وہ آیتِ مبارکہ تعریض (دوسروں کو چھیڑنے) کے طور پر اس جماعت کے لئے فرمائی تھی اور اپنے آپ کو اپنے زعم کے مطابق مسلمان اور برحق قرار دیا تھا اور دوسری جانب والوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے میں یہود و ابلیسِ لعین کے ساتھی قرار دیا تھا (یہ سب) واضح ہوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ [اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے اور اچھا وکیل ہے] تم اپنے آپ کو مسلمانوں اور درویشوں کے گروہ میں شامل کرتے ہو، ہم نے تم کو یا کسی دوسرے کو کب راہِ حق سے روکا ہے، اس بارے میں کوئی بات بھی ہمارے اور تمہارے درمیان نہیں ہوئی ہے بہتان کی بھی کوئی حد (ہوتی) ہے اور ہماری صحبت میں مرتد و گمراہ و کافر کون ہے اور نیز اس گمراہی و ارتداد کی طرف رہنمائی کرنے سے مراد شریعت کی گمراہی اور ارتداد ہے یا طریقت کی گمراہی و ارتداد ہے کہ جس کو شیخ کی اطاعت و طریقت سے خروج کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ مقرر ہے، پہلی بات خود ہی مراد نہیں ہے اور اگر آپ لوگ یہ مراد لیں تو کیا

علاج ہے، رہی دوسری بات طریقت کی ردّت ہے جو کہ وقت کا نصیب ہے۔ آنجناب کو معلوم ہے کہ ہم اس وقت میں اس ملک میں نہیں تھے سیر (سفر) پر گئے ہوئے تھے معلوم نہیں کہ اس ارتداد پر رہنمائی کرنے والا کون تھا اس کا گناہ ہمارے سر تھوپنا معقول نہیں ہے دیگر اس جانب سے غیرت وغیرہ کی کوئی بات جو کہ صوفیۂ کرام کے طریقہ کا لازمہ ہے کچھ بھی درمیان میں نہیں آئی ہے دوسری مرتبہ ہے کہ تم لڑائی کی ابتدا کرتے ہو اور ایذا پہنچاتے ہو، ادنیٰ درجہ کے مسلمان کے دل کو ایذا دینے کا کیا (بُرا) نتیجہ ہے پس اہلِ حقوق کو اذیت دینا کیسا ہوگا، تم لوگ خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی غیرت سے نہیں ڈرتے کہ سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کرتے ہو، اس قدر جان لیں کہ ایک کا مقبول سب کا مقبول ہوتا ہے اور ایک کا مردود سب کا مردود ہوتا ہے، ایک سے قطع تعلق کر کے ترقی و وصول کی
ہوس (خواہش) اپنے خاطرِ شریف سے نکال دیں، اگرچہ جائز ہے کہ استدراج کے طور پر کشایش و ۲۳۶
ترقی کی صورت ظاہر ہو جائے لیکن اس کی حقیقت و معنی سے بے بہرہ ہے شیطان قوی دشمن ہے اس کے مکر سے کوئی شخص امن میں نہیں ہے پس ڈرنا چاہیے اور پھر ڈرنا چاہیے۔ بات دوسرے مقام کے بارے میں ہے کہ جس پر کشایش و ترقی متفرع ہے پس ڈرنا چاہیے اور پھر ڈرنا چاہیے۔ چونکہ تم نے سلسلہ جنبانی کی ہے (اس لئے) اس قدر کہا گیا ہے ورنہ دوسرے اہم امور درپیش ہیں اس قسم کی باتیں کہنے اور لکھنے کی نوبت نہیں آتی اور نیز آشنائی کے حقوق کا بھی تقاضا تھا کہ ایک دفعہ معاملہ کی حقیقت پہنچا دی جائے۔ والسلام

مکتوب ۸۸

مولانا محمد حنیف کے نام اقربیت کے معارف اور اس سیر کی تفصیل میں جو کہ آفاق و انفس سے ماوراء ہے اور فناء کے دقائق اور حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے طریقۂ عالیہ میں عجز و حیرت کے غلبہ کے راز کو منکشف کرنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی، سعادت آثار برادرم مولانا محمد حنیف نے اس دور افتادہ ضعیف سے کچھ استفسار کیا تھا اس کے حل کے سلسلہ میں چند سطریں لکھتا ہے ہوش کے کانوں سے سماعت فرمائیں۔ ہر کہنے والے سے زیادہ معزز ذات (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ [اور ہم اس کی طرف اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں]

حضرت واجب الوجود (اللہ تعالیٰ) جل سلطانہ کی ذات اور اسی طرح اس تعالیٰ شانہ کے کمالاتِ ذاتیہ بندہ سے خود بندہ کی ذات کی نسبت زیادہ نزدیک ہیں پس جو سیر کہ ان مراتب سے تعلق رکھتی ہے وہ سیرِ آفاقی و انفسی سے ماوراء اور اوپر ہوتی ہے اور جذبہ و سلوک سے بھی ماوراء ہوتی ہے اس لئے کہ سلوک سیرِ آفاقی (کا نام) ہے اور جذبہ سیرِ انفسی (کا نام) ہے، سیرِ آفاقی کو بُعد در بُعد کہا گیا ہے اور سیرِ انفسی کو اگرچہ قُرب در قُرب کہا گیا ہے لیکن وہ قُربِ ظلّی ہے اس قُرب و اتحاد سے گذر جانا چاہئے تاکہ اقربیت کا معاملہ رونما ہو جائے جس طرح کہ اشیاء کے علمِ حصولی کا زوال کہ جس کو فنائے قلبی سے تعبیر کرتے ہیں سیرِ آفاقی کی تکمیل کے بغیر ممکن نہیں ہے اور سیرِ انفسی میں شروع ہوئے بغیر میسر نہیں ہے اسی طرح کسی شخص کے علمِ حضوری کا زوال جو کہ اس کی اپنی ذات و صفات سے متعلق ہے اور حقیقت میں فنائے نفس ہے، سیرِ انفسی کی انتہا اور مراتبِ اقربیت میں داخل ہونے کے ساتھ وابستہ ہے اور سیرِ انفسی میں عارف کا علمِ حضوری اپنی جگہ پر قائم ہے اس لئے کہ انفس اس مقام میں حقانیت کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہے اور اس کی قید سے پوری طرح رہائی حاصل نہیں ہوئی ہے کہ (جس سے) مطلوبِ حقیقی تک وصول ظاہر ہو جائے کیونکہ مذکورہ آیہ کریمہ کے مطابق مطلوب انفس سے ماوراء ہے ۲۲۷
اور جو کچھ انفس میں ظاہر ہے رہنمائی کرنے والی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید اس کے بارے میں اطلاع دیتا ہے: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ[1] [ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے انفس میں دکھائیں گے حتی کہ ان کو ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے] اور چونکہ علمِ حضوری عینِ عالم ہے اس لئے اس کے زوال سے عارف کے نفس کا زوال ہو جائے گا اور اس کا کوئی اثر نہیں رہے گا اور علمِ حضوری کا زوال اس معنی میں ہے کہ جو علم عارف کی ذات سے تعلق رکھتا تھا وہاں سے اکھڑ کر واجب تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ متعلق ہو جائے اور اس مقام میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ موجود ہو نہ کہ اس (عارف) کی ذات، اور اس کا بیان یہ ہے کہ جو کوئی کمال بھی ممکن میں ظاہر ہے وہ سب مرتبہ وجوب تعالت وتقدست یعنی وجود حیات، وعلم وقدرت وغیرہ سے مستفاد و مستعار ہے اور ممکن نے ان کمالات کو اپنے آپ سے سمجھ کر امانت میں خیانت کی ہے اور جب کسی عارف کو محض فضل وکرم سے اس عاریتی ہونے کی دید سے نوازتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آیت مبارکہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا[2] [بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو دیدو] کے حکم کے بموجب دوبارہ امانتوں کو اہل امانات کے سپرد کر دے۔ اور چونکہ اس کا علمِ حضوری مطلوب کے

---

[1] سورت ۴۱ آیت ۵۳ [2] سورت ۴ آیت ۵۸۔

حضورِ ذاتی کا پرتو ہے (اس لئے) یہ حضور تمام کمالات کی طرح جو کہ اپنے اصول کے ساتھ مل جاتے ہیں
اس حضورِ ذاتی کے ساتھ مل جائے گا، اس وقت میں عارف اپنے آپ کو بالکل خالی پائے گا اور
خالص عدم کے ساتھ ملحق دیکھے گا وہ نہ کوئی ذکر اپنے اندر محسوس کرے گا اور نہ کوئی توجہ، نہ کوئی یافت
(پانا) ہوگی نہ حضوری، اصل کے ساتھ مل جانے کے بعد اگر یافت (پانا) ہے تو وہ از خود بخود ہے اور
اگر حضور ہے تو وہ بھی از خود بخود ہے اس لئے کہ حادث جب قدیم کے ساتھ ملا دیا گیا تو اس کا کوئی
اثر باقی نہیں رہا۔ اس مقام میں جو کہ فنائے نفس کا مقام ہے عارف سے کلمۂ اَنَا کا اطلاق (میں میں)
پوری طرح زائل ہو جاتا ہے اور عارف اپنے آپ کو اَنَا کے ساتھ تعبیر نہیں کر سکتا کیونکہ فنائے نفس
کے بعد جو کہ کلمۂ اَنَا کا مَورد (وارد ہونے کی جگہ) ہے انا کے لئے کوئی مَورد (وارد ہونے کی جگہ) نہیں رہتا
جس پر اس کا اطلاق ہو، یہ معنی نہیں ہیں کہ انا کا حق پر اطلاق ہو اور (عارف) اپنے آپ کو حق دیکھے
کیونکہ خودی درمیان میں نہیں رہی ہے اور انانیت دور ہو چکی ہے۔ اور جو کچھ حضرت عالی قدس اللہ
سبحانہ بسرہ الاقدس نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے کسی مکتوب میں کلمۂ انا کے زوال (کا متصور
ہونا) سکر (کی وجہ) سے لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ صحو میں اس قسم کی باتیں متصور نہیں ہیں انھوں نے
(یہ) سیرِ انفسی کے بارے میں لکھا ہے بلکہ اُس فنائے جذبہ کے بارے میں (لکھا ہے) جس کے ساتھ کامل سلوک
شامل نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اس مقام میں ابھی کلمۂ انا کا مورد (نفس) اپنی جگہ پر ہے لیکن محبت کے
غلبہ کی وجہ سے جو سکر کا منشا (جائے پیدائش) ہے، چھپ گیا ہے زائل نہیں ہوا ہے اُس کے زوال کا
حکم لگانا محض سکر ہے اگر وہ شخص صحو میں آجائے تو اس کے مورد (وارد ہونے کی جگہ) کو پالے اور اس کے
زوال کا حکم نہ لگائے کیونکہ اس سیر کا تمام ہونا ولایتِ صغریٰ کے تمام ہونے کے ساتھ ہے، پس اس بنا پر
ولایتِ صغریٰ کے کمالات میں جو کہ سیرِ انفسی سے وابستہ ہیں کلمۂ انا کا چھپ جانا بھی درجۂ کمال سے نیچے ۲۲۸
ہوگا اور وہ کمال کہ جس کا بیان اس مکتوب میں کیا جا رہا ہے ولایتِ کبریٰ کے کمالات میں سے ہے
جو کہ آفاق و انفس کے ماوراء سے متعلق ہے اور فنائے نفس کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہے اور
اس مقام میں کلمۂ انا کا مورد جڑ سے اکھڑ گیا ہے کہ اس کے لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے، فنا و بقا اور
صحو و سکر اس کے لئے یکساں ہے وَالزَّائِلُ لَا یَعُودُ [اور زائل واپس نہیں لوٹتا]۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے
کہ فنائے نفس کی حقیقت اُس مقام میں متحقق ہے یہ اس لئے ہے کہ فنائے نفس اجمال کے طور پر ولایتِ صغریٰ
میں بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس کا کمال اس مقام میں ہے چنانچہ اس کی تحقیق مکتوبات شریف حضرت مجدد
الف ثانی قدس سرہ کی دوسری جلد میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

اور جب عاشق بیچارہ اپنے آپ کو کلمہ اَنَا کے ورود کے لائق نہیں پاتا اور خودی کو شرک دیکھتا ہے اور انانیت سے پاک ہوکر تبری (بیزاری) اختیار کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ معشوق اپنے فضل و احسان کی رو سے آیۂ مبارکہ هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ○ [کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہے] کے بموجب اس گم شدہ کو اپنی اَنَا کی خلوت گاہ میں جگہ دے اور عاشقِ صادق سب سے منہ موڑ کر اور بیخود ہوکر کعبۂ مقصود کی بارگاہِ خاص میں اعتکاف اختیار کرے اس طرح نہیں کہ عاشق عین معشوق ہو جائے

(سورۂ رحمٰن آیت ۶۰)

خیالِ کج مبر این جا و بشناس کے کو در خدا گم شد خدا نیست

[اس جگہ کج خیالی مت کر اور پہچان لے کہ جو شخص خدا میں گم ہو گیا وہ خدا نہیں ہے] اس مقام میں دردمند عاشق کا کوئی نشان نہیں ہے معشوق ہی ہے جو کہ خود بخود جلوہ گر ہے اور اس نے عاشق کو درمیان سے اٹھا دیا ہے۔

سوال: جبکہ علمِ حضوری عینِ عالم ہو جاتا ہے اور وہ علم کمال (حاصل ہونے) کے بعد اپنی اصل کے ساتھ جو کہ واجب تعالیٰ کا علمِ حضوری ہے ملحق ہو جاتا ہے اور (یہ بات) طے شدہ ہے کہ ہر کمال کا لحوق اپنی اصل کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اس امر کے ساتھ جو اس کی اصل کے متضاد ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہر شخص کی حقیقت اور اس کا مبدأ تعین علم ہو اور حالانکہ دوسری صفات بھی مخلوق کے مبادیٔ تعینات ہیں چنانچہ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس (کی تحقیق) کے مطابق تکوین حضرت آدم علیہ السلام کا مبدأ تعین ہے اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبدأ تعین ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مبدأ تعین ہے (علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جو لوگ کہ ان بزرگوں (مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام) کی طاقتوں میں داخل ہیں ان کے مبادی تعینات درجات کے فرق کے مطابق ان صفات کی جزئیات اور جزئیات کی جزئیات ہیں۔

جواب: جیسا کہ اس گروہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ حقیقتِ محمدی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ
والسلام حضرتِ علم کا اجمال ہے اور تمام مخلوق کے حقائق اس اجمال کی تفصیل ہیں پس اس معنی پر نظر ۲۲۹
کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ تمام مخلوق کے حقائق علم ہے اس لئے کہ تمام مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور و تفصیل ہے۔ القصہ اس اجمالی حقیقت کے لئے تفصیل کے مرتبہ میں علم کے تفصیلی کمالات کے اندازے کے مطابق جو کہ حضرتِ اجمال میں درج ہیں بے شمار حصے (اجزاء) ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی اشخاص میں سے ہر شخص کی حقیقت علم کے حصوں (اجزاء) میں سے ایک حصہ (جزو) ہوگی جو کہ اجمال میں مندرج کمالات میں سے کسی کمال کے ساتھ تفصیل کے مرتبہ میں علم کے تعلق کی وجہ سے حاصل ہوا ہے مثلاً حضرت ابو البشر (آدم) علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین علم کا ایک حصہ ہے

جو کہ اس کے تعلق سے تکوین کی صفت کے ساتھ جو کہ اجمال میں شامل تھی حاصل ہوا ہے اور اسی پر تمام حقائق کو قیاس کر لیا جائے لیکن چونکہ حصص و حقائق کے درمیان تمیز اُن کمالات کے ساتھ ہے (اس لئے) ہر شخص کی حقیقت کو اُن کمالات میں سے اس کمال کے ساتھ مسمّٰی کیا گیا ہے جو کہ اس شخص کے ساتھ خاص نسبت رکھتا ہے کہ اس کی تمیز کا سبب ہوا ہے پس (صفتِ) علم تمام صفات میں اشرف و بزرگ ہوئی اور اس کی برکات تمام موجودات کو شامل ہوئیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے کسی چیز کے ساتھ متحد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی چیز دوسری چیز کی حقیقت ہو جیسا کہ خاصہ (خاصیت) کو ماہیت کے ساتھ اتحاد کی نسبت ہے حالانکہ یہ عوارض میں سے ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس تقدیر پر کہ علم انسان کی ذات و حقیقت نہیں ہوتی تمام موجودات کے حقائق کو حقیقتِ محمدی کی تفصیل کہنا کس طرح درست ہوگا اس لئے کہ حقیقتِ محمدی علم ہے (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ اجمال ذاتی تفصیل ہو کیونکہ (جنس) حیوان کے تحت درج شدہ انواع کو ماشی (چلنے پھرنے والا) کی تفصیل کہہ سکتے ہیں اگرچہ (صفت) ماشی (چلنے پھرنے والا ہونا) اس کی ذاتی (صفت) نہیں ہے، اور اگر مان لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ حقیقتِ محمدی کو تمام حقائق کا اجمال و کل کہنا ان حقائق کے ساتھ علم کے اشتمال و جامعیت (شامل و جامع ہونے) کے اعتبار سے ہے اس کے ساتھ ساتھ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حقیقتِ محمدی سے مراد تمام کمالاتِ ذاتیہ ہوں جو کہ علم سے اجمال کے طور پر تعلق رکھتے ہوں نہ کہ نفسِ علم سے جیسا کہ وہ ہے لیکن چونکہ اس مرتبہ میں علم کو ان کمالات سے کوئی تمیز (حاصل) نہیں ہے اور حضور و انکشاف کے سوا کوئی امر اس مقام میں ظاہر و معلوم نہیں ہے اس لئے اس مرتبہ کو وحدت کہتے ہیں اور قابلیتِ محض سے موسوم کرتے ہیں اور نیز علم کو معلوم کے ساتھ بہت سے محققین کے نزدیک اتحاد ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اس حقیقت کو علم سے تعبیر کیا ہے لہٰذا تفصیل کے مرتبہ میں وہی کمالاتِ متمیزہ تمام اشخاص کے حقائق ہیں اور اس صورت میں اجمال کا
تفصیل کے ساتھ بے تکلف تقابل ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر ایسا نہیں ہے، اور اس توجیہ کی تائید ۲۳
اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہمارے حضرت عالی قدس اللہ سرہ الاقدس کے نزدیک حقیقتِ محمدی تعینِ وجودی یا تعینِ حُبّی کا اجمال ہے کہ تعینِ علمی اُس سے کئی درجے نیچے ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کسی دوسری جگہ لکھی جا چکی ہے۔ اگر کہیں کہ بعض اکابر کے کلام میں یہ بات آئی ہے کہ علم انسان کی حقیقت ہے چنانچہ مولوی (رومی) قدس سرہ نے فرمایا ہے ع

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ الخ [اے بھائی تو ہی اندیشہ و فکر ہے]

اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) سے بھی بعض اوقات میں اس کے مثل سنا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان اکابر نے تجوز و مبالغہ کے طور پر فرمایا ہو یعنی توجہ میں عمدہ چیز یہی فکر و اندیشہ ہے" چاہیے کہ وہ مطلوب حقیقی کے سوا اور کسی میں صرف نہ ہو بلکہ پورے طور پر اس مقدس بارگاہ کی طرف مصروف ہو، اس مقام میں تحقیق وہ ہے جو ہمارے حضرت (قدس سرہ) نے افادہ کیا ہے جس جگہ کہ فرمایا ہے" اس بیان سے لازم آتا ہے کہ علم حضوری میں بھی معلوم کی صورت معلوم کے حضورِ نفس کے باوجود پائی جاتی ہے کیونکہ نفسِ معلوم کی حضوری خالص نہیں ہے کسی اعتبار نے اس میں راستہ پا لیا ہے جو اس کو نفس (ذات) سے صورت میں لے آیا ہے ہر شخص کی سمجھ اس باریکی کو نہیں پہنچتی اور جب تک ذات بحت (محض) سے واصل نہیں ہوتا (محض) بیچونی کے وصول سے اس باریکی کو نہیں پاتا۔"

فصل بالخیر، اے بھائی! وہ جو آپ نے اس فقیر سے دریافت کیا تھا کہ" کیا سبب ہے کہ ہمارے حضرت عالی قدس سرہٗ کے طریقہ میں جہل و حیرت کی نسبت غالب ہے جو (سالک کی) سمجھ میں کم ہی آتی ہے" اس کا حل سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کیونکہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی نسبت آفاق و انفس سے ماوراء اور اقربیت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ اقربیت کا معاملہ علم حضوری سے تعلق رکھتا ہے علمِ حصولی سے نہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ پانا اور لذت حاصل کرنا علمِ حصولی میں ہے علم حضوری میں نہیں ہے۔ کیا آپ نے کسی شخص کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے اپنی یافت اور حضور سے لذت حاصل کی ہے، علمِ حضوری میں اگر یافت (پالینا) اور التذاذ (لذت حاصل کرنا) ہے (تو وہ) متعارف (مشہور) یافت و التذاذ کی قسم سے نہیں ہے (بلکہ) ایک ایسی یافت ہے جس کی کیفیت نامعلوم ہے اس لئے اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنے احوال پر اطلاع پائے اور اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کو جانے تو وہ اپنی ذات و صفات (دوبینی) کے تصور کا محتاج ہو گا اور اس کے بغیر اپنی ذات و صفات کا پتہ نہیں لگ سکے گا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے گم کرنے والا جانے گا چونکہ اس نے دوبینی کی بہت زیادہ عادت
۲۳۱ کی ہوئی ہے اس لئے وہ حضورِ ذاتی کو علم نہیں سمجھتا اور جب تک اس کا مدرک اس سے جدا نہ ہو جائے اگرچہ وہ جدائی تصور میں ہی ہو وہ اس کو نہیں پا سکتا۔ اگر کہا جائے کہ اقربیت کے معاملہ میں مزایلت و مباینت (جدا و مخالف ہونا) موجود ہے کیونکہ اقربیت دوئی (دو ہونے) کو چاہتی ہے، اتحاد ہے جو کہ مزایلت (جدائی) نہیں رکھتا اور دوئی ہونے سے بری ہے پس سیر انفسی کو علمِ حضوری پر موقوف ہونا چاہیے کیونکہ اتحاد (کا حاصل ہونا) اور دوئی کا رفع ہونا اسی مقام میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اقربیت کے معاملہ میں جو آفاق و انفس سے ماوراء ہے اور مزایلت (آفاق و انفس کے زوال) کے بغیر متصور نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں چونکہ انفس کے آئینوں میں شہودِ مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل ہے اور اس پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس لئے لازماً اس کا حضور و شہود مطلوب کا حضور و شہود نہیں ہے اگرچہ سیرِ انفسی والا سالک اس کو مطلوب کا غیر نہ جانتا ہو لیکن حقیقت میں وہ غیر ہے پس اصل مطلوب کی نسبت سے وہ علم حصولی ہوگا کیونکہ ظل کا حضور اصل کا حضور نہیں ہے بلکہ اس مشہود کی نسبت سے بھی جو کہ انفس کے آئینے میں ہے علمِ حصولی واقع ہوا ہے کیونکہ آئینے کو اس صورت کے ساتھ جو کہ اس میں دکھائی دے رہی ہے حصول کی نسبت ہے نہ کہ حضور کی نسبت، اگرچہ شہود کے وقت میں آئینے کی ظاہری صورت پوشیدہ ہے اور مشہود نہیں ہے لیکن حقیقت میں آئینہ اپنی اصلی حالت پر ہے اس کا زوال نظر میں ہے اور بس، اور اس طرح کا ارتفاع (دور ہونا) صرف شہود میں ہے کیونکہ قلبِ حقیقت محال ہے اور مطلق کا مقید ہو جانا محض خیال ہے اور اقربیت کے معاملہ میں زائل اور دور ہونے کا حکم لگانا وہم کے احکام میں سے ہے اور اس طرح ہے جس طرح آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا صورت والے کے ساتھ زائل ہو جانا کہ یہ مزایلت (زائل ہونا) بھی ایک وہم ہے۔ چونکہ قُرب کو دوری کے ساتھ تضاد ہے، اور اتحاد میں کہ یہ بھی قرب کے افراد میں سے ہے مزایلت نہیں ہوتی (اسلئے) اقربیت میں جو کہ بہت زیادہ نازک ہے دُوری و مزایلت زیادہ مفقود ہوگی اگرچہ دعویٰ ہوگی لیکن بُعد و مزایلت نہیں ہوگی یہ معاملہ عقل کے طریقے سے ماوراء ہے، حرمِ عقل کے پابند کے لئے مشکل ہے کہ اس بھید (بھید) کو پا سکے، صحیح کشف اور فراست (باطنی سوجھ بوجھ) جو کہ نبوت کے چراغدان سے حاصل کی گئی ہو ہونی چاہئے تاکہ اس معنی کے ساتھ کچھ ایمان حاصل کرے اور اس مشرب سے کوئی گھونٹ پا سکے۔

اور (اعتراضِ مذکورہ بالا کو) مان لینے کی صورت میں ہم کہتے ہیں جو مزایلت کہ درک (پانے) کو آسان کرنے کا سبب ہے وہی مزایلت ہے جو کہ بعد و دوری کی راہ سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ وہ مزایلت جو اقربیت کی راہ سے وہم میں آئی ہو کہ (یہ مزایلت) نسبتِ اتحادی یافت و درک سے بھی بہت دُور ہے۔ یا یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ اقربیت کے معاملہ کا علم حضوری کے ساتھ تعلق اس معنی میں نہیں ہے کہ عارف کا نفس ابھی اپنی جگہ پہ ہے اور اس کا علم حضوری قائم ہے اس کے باوجود وہ اصل مطلوب کے ساتھ علم حضوری رکھتا ہے (یعنی) اس کو دو چیزوں کا حضور ہے کہ یہ محال ہے یا نفسِ (ذات) حاضر کو عین مطلوب خیال کر کے حضورِ نفس کو عین اسی کا حضور جان لیا ہے (یعنی اس معنی میں بھی نہیں ہے اسلئے) کہ یہ معاملہ سیرِ انفسی کے مناسب ہے بلکہ (اقربیت کے معاملہ کا علم حضوری کے ساتھ تعلق) اس معنی میں ہے کہ عارف اپنے آپ سے معدوم ہو گیا ہے اور اپنے ذاتی حضور سے ہٹ گیا ہے اس کا حضور جو کہ

حضورِ واجبی تعالیٰ جل سلطانہٗ (حضورِ الٰہی) کا پرتو ہے اللہ تعالیٰ کے حضور کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے اور مکمل لحوق کے بعد چونکہ اس کا حضور اس کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہ عارف اور اس کے حضور سے کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس لئے باطنی نسبت ادراک سے دور جا پڑتی ہے اور علمِ حضوری کی نسبت کے نہ پانے سے جو کہ اوپر بیان ہو چکی ہے زیادہ متصف ہو جاتا ہے، یہ ہے اس کی وضاحت۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں، علمِ حصولی والا منازلِ وصول قطع کرنے کے مراتب میں کمال درجہ کے ذوق و شوق میں ہوتا ہے اور اپنے کشف و شہود کے ساتھ لذت اندوز و خوش و خرم اور ہمیشہ حضور کے استغراق میں فانی ہوتا ہے اور اس کی صحبت جذب و کشش بخشنے والی عشق سے ملی ہوئی، رلانے والی اور وجد کو ابھارنے والی ہوتی ہے اور وہ شخص جس کا معاملہ آفاق و انفس سے ماوراء ہے وہ شوق سے گذر چکا اور شہود کی پابندی اور شہود میں مستغرق رہنے سے رہائی حاصل کر چکا ہوتا ہے اسلئے اس کا معاملہ ظہورات سے ماوراء ہے اور اس کارخانۂ ظلال سے برتر ہے کیونکہ ظہور ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہے اور ظل کی نہایت انفس کی نہایت کے ساتھ ہے انفس سے باہر ظل نہیں ہے اگرچہ مراتب بے شمار ہوں، ان بزرگوں کی صحبت بعینہٖ اصحاب کرام علیہم الرضوان کی صحبت ہے، کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت میں کسی شخص نے تواجد کیا اور شوق کا نعرہ بلند کیا اور تجلی و شہود کا دم مارا؟ ان مقبولین کا آرام انعامات والی ذات جل وعلا شانہٗ کی طاعات میں ہے اور ان کی نیک بختی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ہے ان کا کام ہمیشہ نیاز (عاجزی) ہے اور ان کی لذت کا کمال نماز میں ہے۔ حدیث ارحنی یا بلال [اے بلال! مجھ کو نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ] اور حدیث قرۃ عینی فی الصلوٰۃ [میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے] ان بزرگوں کے معاملہ کی شاہد (گواہ) ہے۔ اربابِ ظلال کو جو کچھ کام کے آخر میں میسر ہے وہ ان بزرگواروں کا پہلا قدم ہے اصل کے ساتھ وصول ان بزرگواروں کے لئے مسلّم (ثابت) ہے اور وجد و یافت کی حقیقت بھی انہی کو میسر ہے، یہ وجد و یافت سابقہ وجد و یافت سے ماوراء دوسری کیفیت سے ہے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ [اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ یہ (ہمیشہ کیلئے) جمے ہوئے ہیں اور وہ (قیامت کے دن) بادل کی طرح اڑتے پھریں] پہلے مقام میں اگر وصل ہے تو وہ وصل کی صورت ہے اور اگر یافت ہے تو وہ بھی یافت کی صورت ہے اس لئے کہ علمِ حصولی علمِ حضوری کے ظل کے درجہ میں ہے۔ آیت ۸۸

تنبیہ: لفظ جہل و حیرت سے جو کہ اوپر بیان ہوا تو یہ گمان نہ کرے کہ اس بلند نسبت والے حضرات اپنی نسبت کا علم نہیں رکھتے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ علم و یافت کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہے

لیکن چونکہ ہر سمجھ میں جلدی آنے والی بلکہ عوام کے نزدیک جو کہ اسفلِ سافلین (نہایت پستی) کے
مقام میں ہیں متحقق بات یہ ہے کہ علم و یافت معلوم کی صورت کے حصول کے ساتھ ہے اور بس، علمِ حضوری ۲۳۳
ان کے نزدیک گویا علم نہیں ہے، اس بنا پر اس معاملہ کو جہل و حیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حق بات یہ ہے
کہ اس نسبت کو جیسی کہ وہ ہے دریافت کرنا کثرتِ علم اور کمالِ معرفت کے بغیر دشوار ہے اگرچہ وہ نسبت
حاصل ہو اور اس نسبت کے دریافت کرنے کا طریقہ یا اس طرح پر ہے کہ حق تعالیٰ کسی عارف کو اس قسم کی تیز
بصیرت عطا فرمائے کہ معلوم کی صورت کے حصول کے بغیر تمیز کر سکے اگرچہ محدود عقل اس کا پتہ نہیں لگا سکتی
لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ [بادشاہوں کی بخششیں ان ہی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں]
یا اس طریقہ پر کہ اس مجہول کیفیت والے معاملہ کو اس کی مثالی صورت میں ظاہر کریں یا اللہ تعالیٰ کی طرف
سے الہام ہو جائے یا رہبر وغیرہ کے بتانے سے معلوم کرے یا حصولِ نسبت کا یقین ان لذتوں کے
ساتھ دیں جو کہ اس پر مرتب ہوتی ہیں اور درک کا ادراک حاصل نہ ہو، اور جائز ہے کہ بعض کو وہ معاملہ
حاصل ہو اور اس کا علم کسی راستے سے بھی حاصل نہ ہو احوال و مقامات کا تفصیلی علم سب کو نہیں دیتے
کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں اور دوسروں کو اس علم کے ساتھ کفایت کرتے ہیں لیکن یہ دونوں نفسِ وصول
میں برابر ہیں فرق صرف علم ہونے یا علم نہ ہونے کا ہے جو کہ جزئی فضیلت کی قسم سے ہے اور علم میں بھی
مختلف مراتب (درجات) ہیں، مختصر یہ ہے کہ جو کچھ مطلوب ہے وہ اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول ہے اس کا علم
جس قدر بھی ہو گا فنِ بلاغت میں محسنات بدیعی (عمدہ صنائع و بدائع) کی مانند زائد احسانات و انعامات
کی قسم سے ہو گا یہ اس مکتوب کا آخر ہے، الحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ دائماً و سرمداً
وعلی آلہ الکرام وصحبہ العظام الی یوم القیام۔

مکتوب ۸۹

یہ بھی ملا محمد حنیف کے نام عارف کی جامعیت کے متعلق اشارے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ الدعوات کے بعد برادرِ عزیز کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری عافیت و شریعتِ مقدسہ اور سنتِ عالیہ المصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ پر استقامت اور ظاہری و باطنی درجات پر تمہاری ترقی اور آخرت کی ابدی سعادتوں اور تخلیہ و فنا و انقطاعِ کلی کے لئے دعا کی گئی ہے پس جب تو تخلیہ و فنا سے کما حقہا

خالی و فانی ہو جائے گا تو تجھ کو ایسا نور و جمال دیا جائے گا کہ ہر چیز میں تیرے جمال کے سوا اور کچھ متجلی نہیں
۳۳۴ ہوگا اور عالم سفلی و علوی تیرے نور و چمک کے آئینے اور تیرے حسن و جمال کے مظاہر ہو جائیں گے اور تو
تمام جہانوں کے لئے مرکزِ اجمال ہوگا بظاہر ہر چیز میں خلیفہ اور مخلوق میں امام ہوگا اور تیرے حق میں نعمت
پوری ہو جائے گی۔ فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (پس تو اللہ سورۃ ۳۰
کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے) والسلام آیت ۵۰

مکتوب ۹۰

خواجہ دینار کے نام عارف کی عدمیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و الحمد للہ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی، سعادت آثار میاں دینار! اس مسکین خاکسار سے دعائیں مطالعہ فرمائیں، اس حدود کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ دور افتادہ دوستوں کی خیریت کے لئے حضرتِ وہاب جل سلطانہ کے کرم سے دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ممکن بیچارہ کہ مطلوبِ حقیقی ہے جس کا نصیب سوائے استہلاک و اضمحلال کے (کچھ) نہیں ہے اس کے کمال کے ادراک سے عاجز و قاصر ہے اور جب اس کی بارگاہِ وحدت و احدیت میں معدوم و لاشئے ہونے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے اس کے حسن و جمال کے ادراک سے خالی و حیران ہے ؎

گیرم کہ بغم خانۂ ما یار خرامد کو حوصلہ و طاقتِ دیدار کہ دارد

(میں مانتا ہوں کہ ہمارے غمخانہ (دل) میں محبوب خوش خرام ہے (لیکن) اس کے دیدار کا حوصلہ و طاقت کس کو ہے) وہی ہے جو کہ الکبریاء ردائی (بزرگی میری چادر ہے) کی خلوت گاہ میں اپنے کمال کا خود ہی مشاہدہ کرنے والا ہے اور انت کما اثنیت علٰی نفسک (تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی آپ تعریف کی ہے) کی محفل میں اپنے جمال کا خود ہی نظارہ کرنے والا ہے، پس وہی ہے جس نے اپنی ذات کی تعریف خود کی ہے اور اپنی صفات کے کمال کی ثنا کی ہے پس وہی عارف و معروف ہے اور وہی شاہد و مشہود ہے، عاشق بیچارہ نے اس جلوہ گاہ میں سامان عدم کے صحرا کی طرف کھینچا ہے اور ہستی (دیکھنا) و دانش (جاننا) و توانائی (کرسکنا) کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیا ہے ؎

جسم ہمہ اشک گشت و چشم بگریست در عشقِ تو بے جسم ہمی باید زیست والسلام

(میرا تمام جسم آنسو بن گیا اور میری آنکھ نے گریہ کیا، تیرے عشق میں جسم کے بغیر ہی جینا چاہیے)

مکتوب ۹۱

شیخ طاہر بدخشی جونپوری کے نام اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اور حضرتِ عالی کے اصحاب کی محبت کے اظہار میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو قرب و ارشاد کے مراتب میں ترقیات بخشے، آنجناب معارف آگاہ دور افتادوں کو فراموش نہ فرمائیں چونکہ المرء مع من احب (آدمی اس ۲۳۵
کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے مطابق جہاں کہیں بھی محبت کا رابطہ درمیان میں ہے اس کے اندازے سے باطنی معیت بھی ثابت ہے امید ہے کہ زمانۂ جدائی کی درازی سابقہ نسبت میں کوئی کمی نہیں لائے گی بلکہ اگر مذکورہ بالا محبت کا رابطہ زیادہ قوی ہو جائے جیسا کہ دوستوں سے اس کی توقع کی جاتی ہے تو مذکورہ بالا نسبت بھی اور زیادہ ہو جائے گی اور بیش در بیش ہوتی جائے گی۔ اس فقیر کو اس جماعت سے جو کہ حضرت قطب المحققین پیشوائے طالبانِ خدا حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی خدمت و قدمبوسی کے شرف سے مشرف ہو چکے ہیں ایک علیحدہ نسبت ہے (میری) نظر میں وہ لوگ دنیا سے جدا ہیں کسی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے کیونکہ یہ جماعت محبوب کے آئینے ہیں اور اس بے نشان کی ایک نشانی رکھتے ہیں، محبوب کی خدمت کرنے والے لوگ اس کی غیبت (غیر موجودگی) کے وقت خاص طور پر نہایت محبوب و مرغوب ہیں، عاشقوں اور مشتاقوں کے نزدیک اس جماعت کی قدر بہت ہی زیادہ ہے اگرچہ یہ لوگ بے پرواہ ہوں اور مذکورہ رابطہ کے لوازم سے دور ہوں لیکن ہم لوگوں کے نزدیک نہایت عزیز ہیں اور ان کی خدمت و محبت ہم پر لازم ہے بہر حال دعا سے غافل نہ رہیں اور توجہ فرمائیں کہ کل (قیامت کے روز) حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے محبت کرنے والوں اور خادموں کے زمرہ میں ایک ہی جگہ ہمارا حشر ہو اور اُن کے مبارک پرچم کے نیچے جگہ پائیں، رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور (ہدایت) پورا فرما دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

مکتوب ۹۲

شیخ محمد احمدی کے نام طریقہ بندگی حاصل کرنے پر ترغیب دینے اور اعمال میں عُجب پیدا ہونے کے علاج کے بیان میں تحریر فرمایا۔

محبت آثار برادرم شیخ حمید دعا و سلام پڑھیں اور احوال کے لکھنے سے فارغ نہ رہیں، طاعات وعبادات کے ادا کرنے میں مردوں کی طرح رہیں اور کمرِ ہمت کو مولیٰ تعالیٰ جل وعلا کی بارگاہ میں چست باندھیں، آج کا دن کام کرنے کا دن ہے اجر (مزدوری) کا دن کل (قیامت) کا دن ہے، کام کے وقت میں اجر (مزدوری) کی انتظار میں بیٹھنا حقیقت میں اپنے آپ کو اجر سے باز رکھنا ہے اور خدمات (طاعات) کی ادائیگی میں لذتوں کے پابند نہ رہیں، اگر لذت دیں تو نعمت ہے اور اگر نہ دیں تو طاعت (بندگی) کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، بندگی سے مقصود محنت و مشقت ہے جو کہ نفس سے دشمنی اور خواہش کی مخالفت ہے نہ کہ عیش و راحت کہ جس کو ہوا و نفس چاہتا ہے، وہ لذت و راحت اور چیز ہے جو اس طرف سے عطا ہوتی ہے اور نفس وخواہش کو اس میں ہرگز کوئی دخل نہیں ہوتا کیونکہ نفس اس لذت میں نالہ و فریاد کرنے میں ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ لذت عطائی ہے (بخشش کی ہوئی ہے) (اس لئے) طاعات کو اس کے نہ ہونے سے چھوڑا نہیں جا سکتا، طاعات کے حاصل کرنے میں جان کے ساتھ کوشش کریں، نجات کی امید ۲۳۶
(اللہ تعالیٰ کی) رحمت سے چاہیں اور طاعات کو بھی اس کی رحمت کا اثر جانیں اور اس کی توفیق کی طرف لوٹنے والی سمجھیں اور اپنی قوت و طاقت کو ہرگز اس میں دخل نہ دیں تاکہ عُجب (خود پسندی) سے نکل جائیں اور اگر کبھی قوت و طاقت کو اپنی طرف عائد دیکھیں تو اس سے نادم ہوں اور استغفار کریں (تاکہ) طاعات ناچیز (ضائع) نہ ہو جائیں اور گناہ میں تبدیل نہ ہو جائیں لیکن اس بہانہ سے اعمال و طاعات سے رک نہ جائیں، طاعت (بندگی) بھی کریں اور اس طاعت سے استغفار بھی کریں اور اس (طاعت) کو اس پاک بارگاہ کے لائق نہ جانیں اور امیدوار رہیں کہ یہ ندامت و استغفار آہستہ آہستہ اس طاقت و قوت کے دیکھنے (اپنی طرف منسوب کرنے) کا علاج کر دے اور اعمال کو قبولیت کے قابل بنا دے ؎

چشم دارم کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول ۔۔۔ اے کہ دُر ساختہ قطرۂ بارانی را

[اے (اللہ) کہ جس نے بارش کے قطرے کو موتی بنا دیا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول عطا فرمائے گا]۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ "عمل کر اور استغفار بھی کر بندگی کا طریقہ یہی ہے"۔

اللھم مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی عندی من عملی [اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسعت والی ہے اور تیری رحمت میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ باعثِ امید ہے] ؎

دادیم ترا از گنجِ مقصود نشان ۔۔۔ گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

[ہم نے تجھ کو مقصود کے خزانے کی نشان دہی کر دی ہے، اگر ہم نہیں پہنچے تو شاید تو ہی پہنچ جائے]

والسلام

مکتوب ۹۳

حقائق آگاہ شیخ نور محمد پٹنی کے نام اس بات کے حل میں تحریر فرمایا کہ فنا حاصل ہو جانے کی صورت میں فنا کا علم کس طرح ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ معارف دستگاہ کے خدام اس شکستہ آوارہ سے مشتاقانہ دعائیں قبول فرمائیں۔ ع

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است (دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

سوال: ماسوا کا نسیان (بھول جانا) اور علم کا پوری طرح زائل ہو جانا فنا کہلاتا ہے پس فنا حاصل ہو جانے کی صورت میں اگر وہ اپنی فنائیت کا علم رکھتا ہے تو اس کو فنا حاصل نہیں ہے اور اگر علم نہیں رکھتا تو وہ کس طرح جانتا اور کہتا ہے کہ اس کو فنا حاصل ہے جیسا کہ فنا والوں نے اس کی خبر دی ہے۔

جواب: مذکورہ حالت کے گذر جانے کے بعد وہ جان لے گا کہ فنا حاصل ہو گئی ہے اور اس کے متعلق پتہ لگ جائے گا اور دوام فنا کی صورت میں جیسا کہ ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس کے نزدیک مختار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں فنا کے لئے بقا لازم ہے، وہ عین فنا میں باقی اور عین بقا میں فانی ہے، پس اس مقام میں عارف کے صفات و افعال اپنے آپ سے فانی ہو کر ۲۳۷
واجب تعالیٰ و تقدس کے صفات و افعال کے ساتھ متحقق ہو جاتے ہیں مثلاً ممکن کا علم اپنے آپ سے فنا حاصل کر کے واجب تعالیٰ و تقدس کے علم کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے اور تمام صفات اسی قیاس پر ہیں، پس اگر عارف فانی اس مقام میں بعض اشیا کو علم کے ساتھ باقی پائے تو یہ اس کے علم کی فنا کے منافی نہیں ہو گا کیونکہ اس نے اس علم سے جو کہ فنا حاصل کر چکا ہے اشیاء کو نہیں پایا ہے تا کہ خرابی لازم آتی۔ الزائل لا یعود (زائل واپس نہیں لوٹتا)۔ یہ دوسرا ہی علم ہے کہ جس سے وہ اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں عرفت اللہ باللہ وعرفت الاشیاء بنور اللہ (میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہچانا اور اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے نور سے پہچانا) اشیاء کی یہ معرفت اشیاء کے نسیان کے منافی نہیں ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ (یہ) درست ہے کہ انسان کے لطائف میں سے ایک لطیفہ کو فنا حاصل ہو جائے اور اس (فنا) کا علم کسی دوسرے خاص لطیفہ کو ہو، یا ہم کہتے ہیں کہ فنا خاص باطن کو

حاصل ہو کیونکہ یہ اس کا کام ہے اور اس کی فنا کا علم ظاہر کو ہو کیونکہ دوام فنا حاصل ہونے کی صورت میں عارف جیسا کہ فنا سے پہلے تھا فنا کے بعد بھی اسی نہج (حالت) پر ہے بیوی بچوں اور تمام دوستوں کو سابقہ طریقوں پر پہچانتا ہے اگر وہ اپنے باطن کے بعض حالات کو بھی معلوم کر لے اور اُن پر مطلع ہو جائے تو تعجب کا مقام نہیں ہے اگر کہیں کہ دانش (جاننے) کا مقام قلب ہے اور جب قلب فانی ہو گیا تو ظاہر کو بھی دانش (جاننے) سے بے نصیب ہو جانا چاہیئے۔ ہم کہتے ہیں اگر مراد یہ ہے کہ قلب کی دانش کے بغیر ظاہر سے دانش کی مطلقاً نفی کی گئی ہے اور دانش قلب ہی پر منحصر ہے تو یہ ممنوع ہے اس لئے کہ ہم واضح طور پر پاتے ہیں کہ قلب ماسوی کی دید و دانش سے مطلقاً رہائی حاصل کئے ہوئے ہے اس کے باوجود ظاہر اپنی دانش پر (قائم) ہے، اور اگر کوئی اور معنی مراد ہے تو وہ بھی ہمارے مقصد میں مضر نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ فنائے قلب ثابت ہونے کے بعد دانش جو کہ اس سے تعلق رکھتی تھی کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے اور دانش کا محل وہ جگہ ہو جاتی ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۹۴

حقائق و معارف آگاہ شیخ عبدالحی مُتنی کے نام صاحب نزہت کے اس شبہ کو دور کرنے کے بیان میں تحریر فرمایا جو کہ انہوں نے قوم کے ثابت شدہ اصول پر کیا ہے کہ گم ہو جانے (فنا) کی صورت میں یافت (یا لینا) کس طرح ہو گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آلہ الطاہرین، اس فرقت زدہ گنہگار کی کامل دعا قبول فرمائیں۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے کہ ان فقراء کے حالات عافیت آمیز ہیں آپ کی سلامتی و استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے۔

میرے مخدوم! فنا کے بارے میں صاحب نزہت کے اشکال کے حل میں جو چند سطریں لکھی ہیں کسی تقریب سے لکھوائی گئی تھیں اس وقت اس کے مضمون کو ہدیہ کے طور پر آنعزیز الوجود (آپ) کی خدمت میں ارسال کیا ہے ـــــ سوال، صاحب نزہت کہتا ہے ؎ ص ۲۳۸

گوید عنان خود چہ تابی　　گم شو کہ چو گم شوی بیابی

ایں نکتہ نمود نا صوابم　　چوں گم شوم آں گہے چہ یابم

یابندہ اگر کسے دگر خواست　　از گم شدنم پس او چہ می خواست

[دم کھتے ہی اپنی باگ کیا موڑتا ہے، تو گم ہو جا جب تو گم ہو جائے گا تو پائے گا، مجھ کو یہ نکتہ غلط معلوم ہوتا ہے جب گم ہو جاؤں گا تو اس وقت میں کیا پاؤں گا، اگر پانے والے نے کسی دوسرے کو چاہا تو میرے گم ہونے سے وہ کیا چاہتا ہے]

اس کا مجمل جواب یہ ہے کہ گم ہونے کی نسبت ماسوا کے ساتھ ہے اور یافت (پانے) کی نسبت حق جل شانہ کے ساتھ ہے پس اس میں کوئی منافاۃ (تضاد) نہیں ہے۔ اور مفصل جواب یہ ہے کہ گم ہونا فنا کے مقام میں ثابت ہے جو کہ عین الیقین کا مقام ہے اس لئے کہ اس مقام میں علم عین کے منافی (مخالف) ہے اور یافت (پانا) بقا کے مقام میں جو کہ حق الیقین کا مقام ہے صورت پذیر ہوتا ہے پس گم ہونا یافت (پانے) کے لئے شرط ہوا، اگرچہ (یہ دونوں) ایک وقت میں جمع نہ ہوں پس کوئی اشکال نہیں ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہم یافت سے ادراک مرکب مراد لیں اور اگر ادراک بسیط مراد لیں تو عین گم ہونے کے وقت ادراک بسیط حاصل ہے جیسا کہ مقرر (مسلّم) ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

از حضرتِ ذات بہرہ استہلاک است　　　استہلاکی کہ از تصور پاک است
آں معرفتے است نامش ادراکِ بسیط　　　آنجا چہ محل دانش و ادراک است

[حضرتِ ذات سے نصیب استہلاک ہے، اور یہ وہ استہلاک ہے جو کہ تصور سے پاک ہے، وہ ایک معرفت ہے جس کا نام ادراکِ بسیط ہے اس جگہ دانش و ادراک کی کیا گنجائش ہے]۔ اور اس تقدیر پر بھی اشکال دور ہو جاتا ہے کیونکہ فنا شہودی ہے نہ کہ وجودی، اور فنائے وجودی کو فرض کر لینے کی صورت میں بھی جواب وہی ہے جو کہ پہلی شق میں اوپر بیان ہو چکا ہے کیونکہ وجود کو وجوب کے ساتھ موجود کرنے کے بعد جو کہ ولادتِ ثانیہ سے وابستہ ہے یافت حاصل ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ گم ہونے سے مراد شہودی ہے یا وجودی اور نیز یافت سے مراد بسیط ہے یا مرکب، ہر صورت میں محذور (اعتراض) دفع ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر شہودی مراد ہے جیسا کہ جمہور کے نزدیک مقرر ہے، یافت سے جو معنی بھی مراد لئے جائیں مدعا ثابت ہے لیکن ادراک مرکب مراد لینے کی صورت میں یافت البتہ متاخر ہے اور ارادہ بسیط مراد لینے کی صورت میں معیت حاصل ہے لیکن تقدم ذاتی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک نہیں پائے گا رہائی حاصل نہیں کرے گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب تک رہائی (فنائیت) حاصل نہیں کرے گا نہیں پائے گا اور اس کی تحقیق (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات کی) جلد ثانی کے مکتوبات سے طلب کرنی چاہئے۔ اگر وجودی فنائیت مراد ہے تب بھی یافت مرکب کو جیسا کہ عام طور پر متبادر ہوتا ہے یافت سے تاخر (پیچھے ہونا) ہے جیسا کہ گزر چکا ہے پس ہر صورت میں درست ہوا کہ جب گم ہو جائیگا تو پائے گا۔ والسلام علیکم۔

ئے مثلاً مکتوب ۲۳ ج ۲

۲۳۹

مکتوب ۹۵

خواجہ مومن جذبی کے نام ان بزرگواروں کی نسبت حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد اپنے بزرگ بھائی کی خدمت میں عرض ہے کہ اس فقیر کے احوال ہر لحاظ سے حمد و شکر کے مستحق ہیں اور دوستوں کی خیریت و جمعیت کے لئے دعا اور امید کی گئی ہے آپ کے خطوط پہنچتے رہتے ہیں اور اس طرف سے جواب بھیجنے میں قصور واقع ہو جاتا ہے امید ہے کہ معذور رکھیں گے، ہر حال میں غائبانہ دعا سے فراموش نہ کریں اور کیفیات تحریر فرماتے رہیں اور طاعات کی پابندی میں قدم مضبوط رکھیں اور مطلوب حقیقی کی بارگاہ میں شاہدی و مشہودی کے وصف کے بغیر دائمی توجہ پیدا کریں کیونکہ اس مقام میں توجہ و حضور خود تجدد ہے اور عارف کو استہلاک و اضمحلال کے سوا اس (مقام) میں کچھ نصیب نہیں ہے، اس کے بعد ان ثمرات کے منتظر رہیں جو کہ اس نسبت پر مترتب ہوتے ہیں اور دوستوں کو بھی اس معنی کا طالب بنائیں، والسلام علیکم۔

مکتوب ۹۶

خواجہ محمد کاظم کے نام نصیحت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

برخوردار سعادت اطوار قرۃ العین خواجہ محمد کاظم ظاہری و باطنی عافیت کے ساتھ رہیں، اس حدود کے فقراء کے حالات حمد و شکر کے مستحق ہیں، آپ کی سلامتی و استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے حالات لکھتے رہیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں عجز و نیستی کے وصف کے ساتھ دائمی حضور و توجہ پیدا کریں اور جو چیز اس دولت کے منافی ہو اس سے علیحدگی اختیار کریں اور جوانی کی قوت کو بندگی کے معمولات میں صرف کریں کیونکہ یہ زمانہ بہت ہی غنیمت ہے، اس قوت میں فتور آ جانے کے بعد اس کی قدر معلوم ہوتی ہے اور حسرت باقی رہ جاتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس وقت کو بے فائدہ کاموں میں صرف کرنا ایک ایسا الم ہے کہ جس کا تدارک ممکن نہیں ہے والسلام

❊ ❊

مکتوب ۹۷

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام دوستانہ شکایت کے اظہار میں تحریر فرمایا۔

۲۴۰ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰے، سیادت ونقابت پناہ کے خدام ظاہری وباطنی عافیت کے ساتھ رہ کر دور افتادہ دوستوں کو یاد کرتے رہیں، قلم خود بخود رک گیا ہے کیا چیز لکھے کہ اولادِ حضرت فاطمہ بتول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں سے اس برگزیدہ بزرگ کی قبولیت کے لائق ہو اور اس قابل ہو کہ اس سخاوت کی کان کی جانب سے اُس کا جواب ظاہر ہو، جسقدر مذکورہ فکر کے سمندر میں غوطہ زنی کی تاکہ کوئی موتی حاصل کرے اور اس کو اہلِ بصیرت کے لیے تحفہ بنائے (لیکن) میسر نہیں ہوا اور خالی ہاتھ اس کے ساحل سے سر باہر نکالا، آخر کار عاجزی کا اعتراف کر کے اور اپنے آپ کو اس محال تمنا سے ہٹا کر دو نامربوط کلموں سے آپ کے فیض کی نشانیوں والے دل میں اپنی یاد دلائی ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است وبس   در بندِ آن مباش کہ نشنید یا شنید

(اے حافظ! تیرا کام دعا کرنا ہے اور بس، تو اس فکر میں مت رہ کہ اُس نے سنا ہے یا نہیں سُنا) اگر کبھی دعا وتوجہ کے ساتھ یاد کریں تو بعید نہیں ہوگا اگرچہ محال ہونے میں یہ تمنا سابقہ تمناؤں سے بھی مضبوط قدم رکھتی ہے پس اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہی ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے۔

مکتوب ۹۸

مولانا حسن علی کے نام عبودیت کے پسندیدہ طریقہ کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ وتبلیغ دعوات کے بعد سعادت آثار برادرم مولانا حسن علی سے عرض ہے کہ اس حدود کے فقراء کے احوال بحمد اللہ عافیت آمیز ہیں، دور افتادہ دوستوں کی خیریت کی امید اور دعا کی جاتی ہے (آپ کو) چاہیے کہ حالات لکھتے رہیں اور اوقات کو (معمولات سے) آباد رکھیں اور اہم کاموں میں صرف کریں اور خلوت وجلوت میں خوف وتقویٰ کے ساتھ رہیں اور جوانی کی قوت کو طاعات میں صرف کریں اور شب بیداری کو غنیمت جانیں اور اندھیری راتوں کو اذکار وافکار، گریہ وزاری، گناہوں کو یاد کرنے اور قبر وقیامت کی فکر کے ساتھ منور رکھیں اور جہاں تک ہو سکے سنت پر عمل کرنے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، بدعت وبدعتی سے

بچتے رہیں، کوشش کرتے رہیں کہ ماسوی اللہ کی مزاحمت کے بغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ دائمی حضور حاصل کرلیں اور ہمت اس بات پر صرف کریں کہ نفسِ حاضر (اس کی اپنی ذات) بھی درمیان سے اٹھ جائے تاکہ اس کا حضور اس کے ساتھ حاصل ہوجائے اور اس کے اوصاف و اخلاق اس کے اوصاف و اخلاق کی بجائے متمکن ہوجائیں (یعنی متخلق باخلاق اللہ ہوجائے) اور نفسِ امارہ کی انانیت زائل ہونے لگے. کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

۲۳۱ چو جان آئی بجانِ من نشینی مرا دیگر بجائے من نہ بینی
توئی از ہر دو عالم آرزویم تراچوں یافتم از خود چہ گویم

[تو جان کی طرح آجائے اور میری جان میں بیٹھ جائے (پھر) تو مجھ کو دوبارہ میری جگہ نہ دیکھے۔ دونوں جہانوں سے تو ہی میری آرزو ہے جب میں نے تجھ کو پالیا تو اپنے بارے میں کیا کہوں] مختصر یہ ہے کہ اگر نجات مطلوب ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ کی مرادوں کو اپنی مرادوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ اپنے آپ کو تمام نسبتوں سے خالی دیکھنا چاہیے اور کلمہ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ [اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی طاقت نہیں ہے] کو اس سے سننا چاہیے بیشک وہی حمید و مجید ہے، بندگی کا طریقہ یہی ہے، بیشک وہ ہر دشواری کو آسان کرنے والا ہے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے اس پر قادر ہے اور اس لائق ہے کہ قبول کرے، امید ہے کہ اس بے حاصل کو سلامتی خاتمہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں گے کیونکہ غائبانہ دعا کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

مکتوب ۹۹

خواجہ محمد فاروق کے نام معرفت حاصل کرنے پر ترغیب دینے اور ضبط اوقات کے بارے میں تحریر فرمایا۔

میرے مخدوم و مکرم! چونکہ نوع بنی آدم (انسان) کی ایجاد (پیدائش) کا اصلی مقصد صانع (اللہ تعالیٰ جل وعلا) کی معرفت حاصل کرنا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ معروف میں فنا حاصل ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی، پس ہم جیسے ہیچ مداں کے لئے ضروری ہے کہ عمر عزیز کو اس مطلوبہ دولت کے حاصل کرنے میں صرف کریں اور اس فانی زندگی میں فنا (موت) سے پہلے فانی ہوکر حقیقی باقی عزشانہ کی بقا کے ساتھ کوشش کریں۔ افسوس ہے کہ جو کچھ اس شخص سے طلب کیا گیا ہے وہ بجا نہیں لاتا اور دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اور جس چیز کی تخریب چاہی گئی ہے اس کی تعمیر کے درپے ہوتا ہے اور وقتِ عزیز کے سرمایہ کو فانی لذتوں کے پورا کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

"ناز و نعمت کی زندگی سے پرہیز کریں بیشک اللہ تعالیٰ کے بندے ناز و نعمت والے نہیں ہوتے"۔ نہایت خجالت و شرمندگی ہے کہ انسان اس قلیل فرصت میں مطلوب کی طرف سے دعوت کے باوجود اُس کو اپنی آغوش میں نہ لیتے ہوئے اور قبول نہ کرتے ہوئے اس دعوت کی جگہ سے سامان باندھ لیتا ہے اور اپنے آپ کو بُعد و حجاب (دوری و پردہ) کے عذاب میں جو کہ دوزخ کے عذاب سے بھی بدتر ہے ٹھہرا لیتا ہے اور قرب و وصال کی لذت سے بھاگتا ہے۔ پس اس شخص پر افسوس ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے تجاوز کیا، دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ہے: وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا) ؎

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند
تا دامنِ قیامت ایں غم بجا بماند

(ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے (حال سے) نا آشنا (ہی) رہے اور یہ غم قیامت تک ہمارے ساتھ رہے) مختصر یہ ہے کہ کام کرنا چاہئے ۲۴۲
صرف کہنے سننے سے کوئی راستہ نہیں کھلتا۔ امید ہے کہ اس ناکارہ کے بارے میں اس جگہ کے صلحا سے توجہ دعا کی درخواست کریں گے۔ والسلام

مکتوب ۱۰۰

مرزا لطف اللہ کے نام صوفیہ کرام کے طریقۂ عالیہ کے حاصل اور بعض نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ مکتوب گرامی کے ورود سے مشرف ہوا، کتنی اچھی نعمت ہے کہ عین شباب اور عیش و کامرانی کے اسباب کی موجودگی میں مطلوبِ حقیقی کے عشق کا سودا دل کی گہرائی میں پیدا ہو جائے اور حوبِ غیبت (حق تعالیٰ) کی محبت جان کی پیشانی سے ظاہر ہو جائے، درویشوں کی محبت اس کی نشانی ہے اور ان کے ساتھ نیازمندی کا ہونا اس پر واضح دلیل ہے، پیرِ انصار قدس سرہ فرماتے ہیں: یا الٰہی یہ کیا حالت ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے لئے کر دی ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا، اس گروہ سے محبت کرنے والا اس گروہ کے ساتھ ہے المرء مع من احب (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) آپ نے سُنا ہوا ہوگا۔ اے سعادت کے آثار والے اس جوانی اور فراغت کے زمانہ کو غنیمت جانیں اور اس (جوانی) کی قوت کو مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کی طاعات میں صرف کریں کام کا وقت یہی عمر ہے

بڑھاپے اور اعضا کی سستی کے وقت زندگی و فراغت کی تقدیر پر معلوم ہے کہ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: سات قسم کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جبکہ اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، امامِ عادل اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا اور وہ شخص جس کا دل مساجد کے ساتھ لگا رہا، اور وہ دو آدمی جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کی اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، اور وہ آدمی جس کو منصب و حسن و جمال والی عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی جس نے کوئی صدقہ دیا پس اس کو چھپایا حتیٰ کہ جو کچھ اس کے داہنے ہاتھ نے خرچ کیا اس کا بایاں ہاتھ (بھی) اس کو نہیں جانتا، اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پس اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس کو امام بخاریؒ و امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کوشش کریں کہ اخیر کے چھ اعمال پر قائم رہیں اور امام کی نیابت کے ساتھ عدالت پر مستقیم رہیں۔

جان لیں کہ ہمارے بزرگوں قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم العلیہ کے طریقہ کا ماحصل سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پاک بارگاہ میں عجز و نیستی کے وصف کے ساتھ دائمی توجہ و حضور ہے اس حد تک کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے کامل قطع تعلق حاصل ہو جائے اور ۲۳۳ اشیاء سے اس کا علمی و حُبی تعلق ٹوٹ جائے اور ماسوا کی غلامی سے آزاد ہو جائے نہ وہ اس کی خوشی سے خوش ہو اور نہ اس کی غمی سے غمگین، اور نیز دل کو مطلوبِ حقیقی کے ساتھ حضور و آگاہی اس قسم کی پیدا ہو جائے جس کے بعد غیبت (عدمِ حضور) نہ ہو وہ حضور جس کے بعد غیبت ہوتی ہے ان اکابر کے نزدیک معتبر نہیں ہے، جب تک حضور و آگاہی ملکہ (علاقِ ثانیہ) نہ ہو جائے اور اس کا ذاتی وصف نہ بن جائے جیسا کہ سننا کان کی صفت اور دیکھنا آنکھ کی صفت ہے، یہ نسبت شریفہ حاصل نہیں ہوتی، اور نفسِ حاضر (اپنی ذات) کی نفی کرتا ہے، جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے کلی طور پر فنائیت ہو جائے اور مطلوب کا حضور و شہود خود بخود پیدا ہو جائے تو اس وقت کسی شاہد و شہود کے وصف کے بغیر شہود ہوتا ہے اس کے بعد مَنْ قَتَلْتُهُ فَاَنَا دِيَتُهُ (جس کو میں قتل کرتا ہوں تو میں اس کا خون بہا ہو جاتا ہوں) کے مصداق وجودِ موہوب (عطائی وجود) کے ساتھ موجود ہوتا ہے اس وقت میں معشوق کی سیر عاشق میں ہے، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

آئینہ صورت از سفر دور است　　　کاں پذیرائے صورت از نور است

[عاشق آئینہ کی طرح سفر سے دور ہے (یعنی سفر کا محتاج نہیں ہے) کہ وہ صورت کو نور کی وجہ سے قبول کرتا ہے]

اور جو کچھ میں نے اوپر کہا ہے کہ "ہمارے بزرگوں کے طریقہ کا ماحصل یہ ہے الخ" یہ اس لئے کہ ان برگزیدہ بندوں کی حقیقت اس گفتگو کے ماوراء ہے۔ یہ ایک ایسا بھید ہے کہ اس کی تعبیر اس قسم کی عبارتوں سے کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ من لم یذق لم یدر [جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا] جاننا چاہیے کہ ان مذکورہ معانی کا ذوق و وجدان کے ذریعہ پانا اس طریقہ عالیہ کے اکابر کی طویل صحبت وخدمت کے بغیر دشوار ہے، اس فرقت زدہ گنہگار سے جو کہ ان امور کے ذکر کرنے سے لرزاں و ترساں (کانپتا اور ڈرتا) ہے ان معانی کے حصول کا سوال کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی سائل سے سوال کرنا۔ فقیر نے اگرچہ اس عالی مرتبہ گروہ کی محبت کی راہ سے ان معانی کے ساتھ قدرے ایمان حاصل کیا ہے لیکن چونکہ محبت میں ناقص ہے (اس لئے) ان چیزوں میں بھی جو کہ محبت سے حاصل ہوتی ہیں ناقص ہی ہونا چاہیے کیونکہ محبت کرنے والے کے لئے محبوب کی اطاعت کرنا لازم ہے: ان المحب لمن هواه مطيع [محبت کرنے والا اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے] اور جب ان اکابر کے طریقے اپنے اندر بہت کم پاتا ہے تو اس پر متفرع ہونے والی چیز کو کامل درجہ پر کس طرح پائے گا۔ ہاں حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی [میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں] کے مصداق چونکہ آپ ان ناکارہ فقراء کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں احتمال ہے کہ آپ کے ظن کے مطابق آپ کے ساتھ معاملہ کریں ؎

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را

[جس (اللہ) نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیا ہے وہ میرے آنسوؤں کو بھی قبولیت کا شرف بخش سکتا ہے]

والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفى علیه وعلى آله الصلوات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب ۱۰۱

۲۳۳

سیادت پناہ میر محمد نعمان کے نام اس بارہ میں تحریر فرمایا کہ صوفیہ کرام کی نسبت کے حصول کا مصداق احکام شریعت کے ساتھ آراستگی ہے۔

بسم اللہ حامداً ومصلیاً علی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالیٰ (آپ کی) ذات بابرکات کو اپنے الطاف میں شامل رکھ کر ارشاد (ہدایت) کی مسند پر جلوہ فرما رکھے اور ہستی موہوم (انانیت) سے آزاد کر کے ہمیشہ کی نیستی (فنائیت) کے ساتھ موصوف کرے تاکہ حقیقی ہستی (بقا باللہ) جلوہ گر ہو اور خود اپنے ساتھ

حاضر ہے۔ یہ معنی ذوقی اور وجدانی ہیں کہنے اور سننے میں صحیح طرح پر نہیں آتے اور نظر و فکر سے یہ معما نہیں کھلتا کہ آسمانی (فطری) تکالیف کے باوجود نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اور ہونا اور نہ ہونا ایک ہی وقت میں کس طرح ہوگا عرفت ربی بجمع الاضداد [میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا] ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے سوائے عشق کے کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں۔ یعنی گم شدہ (فانی) سے احکام بندگی معاف نہیں کرتے اور اس نسبت کا مصداق شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہونا ہے کیونکہ اس کا کمال فنا اور اطمینانِ نفس تک پہنچنا ہے اور نفسِ مطمئنہ سے موافقت کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ شریعت کا مخالف اور اس میں سستی کرنے والا جو شخص بھی اس نسبت کا دعویٰ کرتا ہے مغز سے سوائے چھلکے کے اور کچھ حاصل نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے وہ استدراج کے باب سے ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ [اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا] امید ہے کہ اس ناکارہ کو دعائے خیر سے نہیں بھلائیں گے اور قبولیت کے اوقات میں اس کے لئے استقامت کی دعا کرتے رہیں گے پس بیشک استقامت کرامت سے افضل ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۱۰۲

اکبر آباد کے احباب خصوصاً ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام صانع جل وعلا اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے پر نصیحت اور اس سے محرومی پر توجہ دلانے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد: یہ اس زخمی دل خستہ و خراب کی جانب سے ہوشیار دوستوں کے لئے ایک یاد دہانی ہے پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو، جان لیا کہ انسان کی پیدائش سے مقصود حق تعالیٰ جل وعلا کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت میں لوگوں کی استعدادات کے تفاوت کے اعتبار سے لوگوں کے قدم مختلف ہیں (کہ بعض کو بعض پر فوقیت ہوتی ہے) ہر شخص نے ۲۲۵
معرفت کے بارے میں اپنے عرفان کے بقدر بات کی ہے لیکن جس بات پر اس بلند مرتبہ گروہ کا اجماع ہے اور جو بات قدرِ مشترک ہے اور قرب کے درجات میں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ معرفت میں فنا ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

[جب تک کوئی شخص فانی نہ ہو جائے اس کیلئے بارگاہ الٰہی میں باریابی نہیں ہے]

؎ از تست حجاب تو بیقین است — شرط ہمہ رہروان ہمین است

می بین و مگوے مذہب این است — می باش و مباش مشرب این است

[یہ یقینی بات ہے کہ تیرا حجاب تجھ ہی سے ہے، سب راستہ چلنے والوں کی شرط یہی ہے۔ مذہب یہی ہے کہ دیکھتا رہ اور کچھ نہ کہہ، اور مشرب یہی ہے کہ موجود رہ اور مت رہ] پس عقلمند دوستوں پر لازم ہے کہ اپنے کام کے نتیجہ اور موجودہ حالت میں اچھی طرح غور فرمائیں جس کسی کو اوپر لکھی ہوئی معرفت حاصل ہے پس اس کے لئے سعادت و بشارت ہے، چاہیئے کہ اس حاصل (شدہ معرفت) کو اُن امور میں صرف کرے جو حاصل نہیں ہوئے اور ہمت اس بات پر لگائے کہ اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دے اور جس شخص کے لئے معرفت کی راہ نہیں کھولی گئی اور اس دولت کی طلب اور گم شدگی کا درد بھی نہیں دیا گیا پس اس کے لئے نہایت ہی افسوس ہے جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ اس نے ادا نہیں کیا اور اس عالم میں اس سے جو چیز طلب کی گئی تھی وہ اس کو بجا نہیں لایا اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا اور اس سے جس چیز کی تخریب کا مطالبہ کیا گیا ہے اُس نے اُس کی تعمیر کی اور عمر عزیز کے سرمایہ کو خواہش اور لایعنی امور میں خرچ کر دیا اور اسباب حاصل ہونے کے باوجود اپنی استعداد کی زمین کو بیکار چھوڑ دیا نہایت شرمندگی ہے کہ اس قلیل فرصت میں مطلوب کو اس کی طرف سے دعوت کے باوجود (اپنی) آغوش میں نہ لا کر اس دعوت گاہ سے سامانِ (سفر) باندھ لیتا ہے کل (قیامت کے روز) کس منہ سے اس کی بے نیاز بارگاہ میں آئے گا اور کونسے حیلہ کے ساتھ عذر کی زبان کھولے گا، دُوری اور محرومی دوزخ کے عذاب سے بھی بدتر ہے جیسا کہ قرب و وصال کی لذت جناتِ نعیم (بہشت) کی لذتوں سے زیادہ ہے پس اس شخص پر افسوس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور اس شخص پر حسرت ہے جس نے احکامِ الٰہی سے تجاوز کیا۔ دوبارہ دنیا میں آنا نہیں ہے: مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا [جو شخص اس (دنیا) میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا] ؎

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند — تا دامنِ قیامت این غم بما بماند

[ڈرتا ہوں کہ یار ہم سے نا آشنا رہ جائے اور قیامت کے دامن تک یہ غم ہمارے ساتھ رہے]۔

کہتے ہیں کہ استاد ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بو علی دقاق قدس سرہٗ، وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ بہت بے چین تھے اور رو رہے تھے۔ اُنھوں نے کہا اے استاد کیا ہوا ہے؟ کیا دوبارہ دنیا میں واپس آنا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں لیکن دنیا کی مصلحت کے لئے نہیں اور نہ اس لئے کہ میں مجلس بیان کروں

۲۴۶ بلکہ اس لئے کہ کمر باندھوں اور لاٹھی لوں اور ہر روز ایک ایک دروازے پر جاؤں اور حلقہ (کنڈی) اور لاٹھی دروازے پر ماروں اور کہوں کہ مت کرو (کیونکہ) تم نہیں جانتے ہو کہ تم کس سے باز رہ جاتے ہو ؎

صاحب خانہ را دہم آواز — کز پئے ہیچ ماندہ از ہمہ باز
عمر بگذشت در پریشانی — بنگری کز چہ باز می مانی

[میں گھر کے مالک کو آواز دوں کہ وہ ہیچ چیز کے لئے تمام چیزوں سے محروم رہ گیا۔ عمر پریشانی میں گذر گئی تو دیکھ کہ تو کس چیز سے محروم ہو رہا ہے] پس ہم جیسے ہجرت زدوں پر لازم ہے کہ قابلِ قدر عمر کو ان عجیب و غریب معانی میں غور و خوض کرنے کے لئے صرف کریں اور اس فنا ہونے والی زندگی میں اس اصول کی سمجھ تک پہنچنے کی حکمت طلب کریں اور صالحین کی سیرتوں اور عارفین کے بیانات سے ان معانی کی تشریح اور اس حدیث کی تفسیر تلاش کریں اور اس کی طلب میں جان کے ساتھ کوشش کریں اور جس جگہ سے بھی اس کی بو دماغ میں پہنچے اس کے پیچھے ہو جائیں اگرچہ طمع کا ہاتھ اس خزانہ کی نقدی سے خالی ہو لیکن اس کی طلب اور نہ پانے کے درد سے ذرا بھی فارغ نہ رہیں اور سرکشوں کے گروہ سے الگ ہو جائیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بیجوید بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام — دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

[میں آنکھ اور دل کو کس چیز کے ساتھ مشغول کروں کیونکہ ہمیشہ دل تجھ کو طلب کرتا ہے اور آنکھ تجھ کو چاہتی ہے] طالب کو چاہئے کہ طلب میں اپنے آپ کو آرام نہ دے اور ہمیشہ مضطرب (بے چین) رہے۔ ابوبکر طمستانی قدس سرہ نے کہا ہے کہ تصوف اضطراب (کا نام) ہے جب سکون آگیا تو تصوف نہ رہا۔ محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں ہے اور اس کے ماسوا کے ساتھ کسی طرح بھی انس و الفت اختیار نہیں کرتا، اور بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو اس صفت کے ساتھ ہونا چاہئے جو کہ کلام مجید میں لکھی ہوئی ہے: حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَیْهِ [یہاں تک کہ جب اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور اُن پر اُن کی زندگیاں تنگ ہوگئیں اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ سے بچنے کے لئے کہیں پناہ نہیں مگر اسی کی طرف] جب طالب آوارہ اس صفت کا ہو جاتا ہے تو ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا [پھر اللہ تعالیٰ اُن پر مہربان ہوا تاکہ وہ لوٹ آئیں] کے مصداق امید ہے کہ بخشش کا سمندر جوش میں آئے اور عاشقِ صادق کو اس خروش (جوش) سے نکال لائے اور معرفت کی کوئی کھڑکی اس کے باطن میں کھول دے، اس بے نشان کا کوئی نشان ظاہر کر دے اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ الآیۃ [یہ وہ لوگ ہیں جن کو

لہ و ۲ہ سورہ ۹ آیت ۱۱۸ ۳ہ سورہ ۲۴ آیت ۳۷

خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) کے گروہ میں شامل کردے۔ اور لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الآیہ [ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو پیاس محنت اور بھوک پہنچتی ہے یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ جہاں کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لے لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے اور نیز [illegible] ۲۲۶

بس کنم خود زیرکان را این بس است بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

[میں بس کرتا ہوں، عقلمندوں کے لئے یہی کافی ہے اگر گاؤں میں کوئی ہے تو میں نے درندہ (کے خطرہ) کی آواز لگادی ہے]

مقبول دوستوں سے امید کی جاتی ہے کہ اس دُور افتادہ کو مقبول دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے اور اس کے بارے میں مذکورہ بالا معانی کے حصول کے لئے دعا فرمائیں گے۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون و علی آلہ و صحبہ وسلم تسلیما کثیرا علی جمیع الانبیاء والمرسلین و علی ملائکۃ المقربین و علی عباد اللہ الصالحین۔

مکتوب ۱۰۳

ارشاد پناہ میر محمد نعمان کے نام محبت کے اظہار اور قصور اعمال کے دیکھنے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، شرافت و نجابت دستگاہ کے خدام ان دُور افتادہ دوستوں کو دعائے خیر سے نہ بھلائیں۔ باطنی محبت کا رابطہ اور ظاہری ملاقات کا شوق جو کہ اس حقیر کو آپ کی ذات کے ساتھ ہے محتاج تحریر نہیں ہے چونکہ دل کو دل سے راہ (تعلق) ہوتی ہے اس لئے اپنی حقیقت جامعہ کی طرف رجوع فرمائیں المجاز قنطرۃ الحقیقۃ [مجاز حقیقت کا پل ہے] اس جگہ ایک بہت عجیب و غریب بھید ہے: ان اللہ خلق آدم علی صورتہ [بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت (صفات) پر پیدا کیا] اس سر (بھید) کا ظاہر کرنا اس دلفگار کا کام نہیں ہے اگر آیت کریمہ إِنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ [بیشک اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے] سے اس سر کا پتہ لگا سکتے ہوں تو ممکن ہے کیونکہ یہ آیہ کریمہ ایک بے پایاں سمندر ہے کوئی غوطہ خور ایسا ہونا چاہیئے جو وہاں سے زمانے کے بیش قیمت موتیوں کو حاصل کرے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ [بیشک اس میں اس شخص کیلئے نصیحت ہے جس کے پاس (سمجھ والا) دل ہے] سبحان اللہ

لہ سورۃ ۹ آیت ۱۲۰ ۲ سورۃ ۶۶ آیت ۸ ۳ سورۃ ۸ آیت ۲۴ ۴ سورۃ ۵۰ آیت ۳۷

بات اپنے حوصلہ سے باہر چلی گئی اور ایسی جگہ تک پہنچ گئی کہ جہاں سے وہ خود راہ میں ہے۔ ہم جیسے بوالہوس لوگوں کو اس قسم کی باتوں سے کیا نسبت ہے، جو شخص گناہوں کی گہرائی میں ڈوبا ہوا ہو اس کو اپنے گناہوں کی فکر اور خطاؤں کا ماتم کرنا تمام امور سے زیادہ اہم ہے، آج یا کل ہے کہ یکایک موت کا طمانچہ خوشگوار عیش و آرام کے منہ پر پہنچے گا اور قبر و قیامت کے معاملات پیش آنے والے ہیں اور اس شخص کا عیبوں سے بھرا ہوا نامہ اعمال علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے حضور میں ظاہر ہو جائے گا اور اس کے معاملہ کی برائی اس بارگاہ میں ظاہر ہو جائے گی پس ہمارے اعمال پر شرمندگی ہے اور ہماری نافرمانیوں پر حسرت ہے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا (اے ہمارے رب ہماری بھول اور خطاؤں پر ہمیں نہ پکڑ)۔

مکتوب ۱۰۴

میرزا عبید اللہ کے نام فنائے نفس کی تحقیق اور آداب شرعیہ کے التزام پر دلالت کرنے اور مطلوب جل و علا کے ماوراء ہونے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس معزز بھائی کے مکتوب لطیف اور ۲۴۸ پسندیدہ حالات کے مطالعہ سے مسرور و لطف اندوز ہوا۔ آپ نے لکھا تھا "کہ دل ماثورہ اذکار کے عمل سے آرام پذیر نہیں ہے اور تمام افعال کے اپنی طرف منسوب ہونے کو تہمت و وہمی کی نسبت کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور اپنے وجود کو بلکہ تمام وجودوں کو ایک ایسے وجود کے غلبہ کے تحت مضمحل پاتا ہے جس کے نفی و اثبات میں لاھو کی منزل پیچھے رہنے والوں میں سے ہیں اور اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب میں وقت کو جبراً لگا کر تکلف کے ساتھ بجا لاتا ہے"۔ میرے مخدوم! یہ مراقبہ اور ایسا دیکھنا پاکیزہ و عمدہ ہے اور اس مراقبہ کا کمال یہ ہے کہ اوصاف و افعال کی یہ وہمی نسبت بھی اپنے ساتھ نہ دیکھے اور یہ افعال و اوصاف پوری طرح اصل کے حوالہ کر دے اور اپنے آپ کو عدم صرف کے ساتھ ملا ہوا پائے اور محض لاشئے اور خالص نیست دیکھے تاکہ اپنے آپ کو انا کے ساتھ تعبیر نہ کر سکے، اس کی علامت یہ ہے کہ اپنے اندر نہ کوئی ذکر پائے اور نہ کوئی توجہ، نہ کوئی ہمت دیکھے اور نہ کوئی حرارت، دل سے ذکر کی حرکت اور مذکورہ توجہ بالکل سلب ہو جائے اور اگر کبھی دل میں کوئی حرکت یا کوئی توجہ و حرارت پائے تو اس کو مذکورہ بالا مراقبہ کی صفائی نہ ہونے کی دلیل سمجھے

دل کو ذکر سے آرام اس وقت ہوتا ہے جبکہ نفسِ ذکر جاگزیں ہو جائے، ذکر و توجہ دوری اور نہایت جدائی کا پتہ دینے والے ہیں اور جب یہ گمان درمیان سے اٹھ گیا تو قہارِ واحد کے سوا کچھ نہیں رہا، اس معنی میں نہیں کہ ممکن واجب ہو گیا اور اس پاک ذات کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیا، کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے بلکہ اس معنی میں ہے کہ ممکن نہیں رہا اور اپنی وہمی خلعت سے تجرد (انخلاع) اختیار کر لیا اور واجب اپنے مطلق محض ہونے پر جیسا کہ تھا اب بھی ہے اور (آئندہ بھی) رہے گا۔ افعال و اوصاف کے اصل کے ساتھ لاحق ہو جانے کے بعد اگر ذکر و توجہ ہو تو از خود نحو ہو۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ولوجهه من وجهه قمر ولعينه من عينه كحل

[اور اس کے چہرہ کے لئے اسی کے چہرے سے چاند ہے۔ اور اس کی آنکھ کے لئے اسی کی آنکھ سے سرمہ ہے]

اور دیگر کیفیات جو آپ نے لکھی ہیں ان سب میں بہترین وہی مراقبہ ہے جو کہ اوپر بیان ہوا۔ چاہیے کہ تمام واردات میں شرعی آداب و حدود کی اچھی طرح رعایت رکھیں اور ان آداب میں سے کسی ادنیٰ ادب کے ترک کرنے میں تساہل نہ برتیں اور اگر علماء کے فیصلے کے خلاف کوئی امر ظاہر ہو جائے تو جان لیں کہ وہ سُکر اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے ہے اور نجات دینے والی حق بات وہی ہے جس کو علماء نے بیان کر دیا ہے، سیر و سلوک سے مقصود حصولِ فنا و نیستی ہے اور مطلوبِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا کیا آفاق اور کیا انفس سب کی گرفتاری (محبت) کا زائل ہونا ہے تاکہ بصیرت (باطن) کی آنکھ میں کوئی چیز منظور و مشہود نہ رہے حتیٰ کہ شہود و محبت میں اسماء و صفات بھی ذاتِ مجرد کے ساتھ ۲۴۹ شریک نہ ہوں، احدیتِ مجردہ کی بارگاہ کے گرفتار (محبت کرنے والے) کسی امر کی شرکت کے لئے راضی نہیں ہیں اور تمام مشہودات اور محبت کو لا کے نیچے لا کر نفی کرتے ہیں خواہ وہ اسم ہو یا صفت۔ اور آپ نے لکھا ہے کہ خیالی صورتوں کے وجود کو چونکہ صفات کے شیون کے ظلال جانتا ہے (اس لئے) ان کی نفی کو وقت کے خلل کا باعث شمار کرتا ہے اور واضح یقین کے ساتھ (یہ بات) عین علمی کے نصیب ہوئی ہے کہ خطا کار و درست کار میں سے ہر ایک وجود کے فرمانِ قہرمان کے تحت میں ہے اور ان کی تلوین کا تلون دوسرا ہے۔

میرے مخدوم! اگرچہ سب کے سب وجود کے فرمانِ قہرمان کے تحت میں ہیں لیکن چاہیے کہ جس سے طلب و محبت کا تعلق ہو وہ اس درجہ کا ہو کہ کسی نسبت و اضافت نے اس بلند بارگاہ کی طرف راہ نہ پائی ہو اور مشہودات و متخیلات سے ماوراء ہو ظہورات و ظلال سے منہ موڑ کر ہمت کا مرجع سوائے اس ذاتِ ظاہر کے جو کہ ان مراتب سے ماوراء ہے اور کوئی چیز نہ ہو۔ چاہیے کہ تمام

مشہودات کو لا کے نیچے لائیں تاکہ ان سب کی نفی ہو جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ اس قسم کے مشہودات (آپ کی) نظر میں پست معلوم ہوئے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ "یہ سب کشاکش عدم وصول کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی توجہ سے ماسوی سے رہائی کی درخواست رکھتا ہے۔ اللھم ارنا الحق [اے اللہ! ہمیں حق بات دکھا دیجئے]"۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے "اگر کوئی وارد پیش آئے تو دل کو وقت کا تابع بنائے" میرے مخدوم! جو وارد بھی ظاہر ہو اس کا شکر بجا لائیں اور اس میں تمکین (پختگی) حاصل ہونے کے بعد اس سے ترقی کے طالب رہیں اور ھل من مزید [کیا اور بھی ہے] کہتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑتے رہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

[نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ ہی سعدی کے سخن کی انتہا ہے، استسقا کی بیماری والا شخص پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے] یہاں تک کہ وقتِ مقررہ آجائے۔

مکتوب ۱۰۵

شیخ محمد صالح تھانیسری کے نام فقر کی فضیلت اور فنا حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

برادرِ عزیزم شیخ محمد صالح کا مکتوب مرغوب پہنچا، مسرور کیا، آپ نے زمانہ کی تنگیوں کے بارے میں لکھا تھا، حق سبحانہ وتعالیٰ کے فعل و ارادہ پر راضی بلکہ لذت یاب ہونا چاہیے اور فقر کی تنگی اور فاقہ کی تلخی کو خوشگوار نعمت جان کر اس کو جمیل مطلق (اللہ تعالیٰ) کے فعل وصفت کا آئینہ تصور کرنا چاہیے اور (اس فقر و فاقہ کی سختی کو) اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو کہ خلقت کا مقصود اور خلت و محبت کے دائرہ کا مرکز ہیں پسندیدہ طریقہ جاننا چاہیے۔ حدیث شریف
الفقراء الصابرون جلساء اللہ غدا یوم القیامۃ [صابر فقراء کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے جلیس ۳۵۰
ہوں گے] آپ نے سنی ہو گی۔ دنیاوی زندگی چند روز سے زیادہ نہیں ہے اس تھوڑی سی فرصت میں قبر و قیامت کی فکر ضروری ہے اور معنوی بیماری کا علاج کہ جس کو ماسوی اللہ تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری و محبت سے تعبیر کرتے ہیں، سب سے اہم کام ہے جو دل غیر اللہ کا گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہے دل کی سلامتی جو کہ اس راستہ کی سب سے پہلی شرط ہے اس وقت متحقق ہوتی ہے کہ ماسوی کے لئے

دل میں کوئی گنجائش نہ رہے، نہ محبت کے طور پر گنجائش ہو اور نہ علم کے طور پر، اس طرح پر کہ اگر اشیاء کو تکلف کے ساتھ بھی یاد کرے تب بھی اس کو یاد نہ آئیں وہ اُس وقت اُس نسیان کے ذریعہ سے جو دل کو ماسوی اللہ سے حاصل ہوا ہے اسرار کے وارد ہونے اور قدامت کے انوار نازل ہونے کا محل ہو جاتا ہے اور تجلیاتِ بے کیف کا مقام ہو جاتا ہے۔ مصرع

این کار دولت است کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے کس کو عنایت کرتے ہیں]

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ [اور چاہیئے کہ رغبت کرنے والے اس میں رغبت کریں] والسلام

مکتوب ۱۰۶

خواجہ محمد فاروق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ محبتِ ذاتی میں جمال سے زیادہ جلال لذت بخشتا ہے۔

خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور سردارِ انبیا اور آپ کی آل اصفیا پر صلوٰۃ و سلام ہو جو مصیبت کہ ان دنوں میں زمانہ کی اس معزز ہستی کو پہنچی ہے وہ دور افتادہ دوستوں کے لئے رنج و غم کا باعث ہوئی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ [بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں] لیکن چونکہ حق تعالیٰ جل وعلا کا فعل ہے اور خاص اپنے فاعل کی طرف دلالت کرتا ہے خوش نصیبوں کے لئے اس بارگاہِ عالی کے وصول کا وسیلہ ہے اور یہ ظاہری تلخی کتنی ہی باطنی حلاوتوں کا سبب ہے ۔ ؎

مے تلخ است جورِ گلعذاراں کہ ہر چند ش خوری باشد گواراں

ہر آتش کان بیفروزد بتِ سیم خلیلاں را بود باغِ براھیم

[پھول جیسے رخساروں والے (حسینوں) کا جور تلخ شراب ہے کہ اس کو جتنا بھی تو پیئے گا پسندیدہ ہوگی، ہر وہ آگ جس کو وہ چاندی کا بُت (حسین محبوب) جلاتا ہے وہ خلیلوں کے لئے باغِ ابراہیم (علیہ السلام) ہے]

جو لذت کہ محبوب کے جلال و ایلام (رنج و الم دینے) کے ذریعہ سے ہے عاشقِ صادق کے لئے اس کے جمال و انعام کی لذت سے زیادہ ہے کیونکہ دوسری قسم کی لذت کے برخلاف پہلی قسم کی لذت خواہشِ نفس کی آمیزش سے پاک ہے اور (یہ) محبوب کی خالص مراد ہے، یہ کمال محبتِ ذاتی سے پیدا ہوتا ہے بلکہ محبتِ ذاتیہ میں بھی علیحدہ خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ مطلق ذاتی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ رنج و الم

اور انعام دونوں برابر ہوں اور ایلام کا زیادہ ہونا ایک دوسری کیفیت رکھتا ہے اور وہ دوسری شان لاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

آں دارد آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست	آں را طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست ۲۵۱

[وہ محبوب ایسی شان رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے، اے ساتھیو! اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے۔]

مکتوبات شریفہ یکے بعد دیگرے پہنچے ہیں اور جواب میں کوتاہی واقع ہوئی ہے (امید ہے کہ) آپ معذور رکھیں گے چونکہ اس طرف کا قصد کرنے والا کوئی شخص معلوم نہیں تھا اس لئے اس مقصد سے رکا رہا۔ والسلام

مکتوب ۱۰۷

شاہ فضل اللہ برہانپوری کے نام مطلوب کی عظمت اور طالبِ صادق کی بزرگی کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہمیشہ رحمانی عنایات کے ساتھ ممتاز رہیں، نہیں جانتا کہ دور افتادہ دوستوں کو کیا لکھے، محبوب کی مہربانیاں اس سے زیادہ ہیں کہ اس فضول گو کی زبان پر جاری ہوں اور معشوق کی خوبیاں اس سے برتر ہیں کہ اس بوالہوس کا قلم اس کی ترجمانی کا خیال کرے جبکہ ان دقایق کی یاد وخیال ہوش باختہ کر دیتا ہے اور فکر و اندیشہ کا خیال اس کے تصور سے لغزش کھاتا ہے تو اس بات کی گنجائش ہے کہ زبان ان اسرار کی ترجمانی کے میدان میں گونگی ہو جائے اور قلم اس کی تعبیر کی وادیوں میں پھٹ جائے، بیچارے عاشق کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کے تصور وخیالات کو بھی اس جگہ اجازت نہیں دیتے دوسرے اس کی حقیقت کو کیا معلوم کر سکیں ؎

دلہا ہمہ آب گشت وجانہا ہمہ خوں	تا چیست حقیقت از پس پردہ بروں

[تمام دل پانی ہو گئے اور تمام جانیں خون ہو گئیں تا کہ (معلوم کریں کہ) پردے کے پیچھے سے باہر حقیقت کیا ہے]

ہاں معشوق کی غیرت اس کے احسان کے مطابق ہے جسقدر احسان زیادہ ہوگا (اسی قدر) غیرت زیادہ ہوگی۔

مکتوب ۱۰۸

محمد فاروق ولد خواجہ عبد الغفور سمرقندی کے نام نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا۔

برخوردار سعادت اطوار اس گرفتار (کی طرف) سے دعا پڑھیں، چاہیے کہ دینی علوم کے حاصل کرنے میں پوری کوشش کریں اور اہتمام کریں کہ عمل اس (علوم دینی) کے مطابق حاصل ہوجائے اور ناجنس و اہل تفرقہ (دنیاداروں) اور اہل بدعت کی صحبت سے احتراز کرتے رہیں اور باطن کو حاصل کی ہوئی نسبت سے
۲۵۲ آباد رکھیں اور اس کے دوام میں کوشش کریں اور ہر اس چیز سے جو کہ اس کے دوام کے منافی ہو اعراض کریں۔ (یہ) ۲۵۲
کتنی بڑی نعمت ہے کہ ظاہر شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہو اور باطن اس نسبت سے آباد ہو اور اپنے بڑے بھائی کی صحبت وخدمت کو غنیمت شمار کریں، اذکار میں مشغول ہونے کو اُن کی مجلس میں تازہ رکھیں اور وہ جس طریقے سے بھی رہنمائی کریں حتی الامکان اس کی رعایت رکھیں اور حالات لکھتے رہیں اور فقراء کی محبت پر قائم رہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۰۹

خواجہ محمد فاروق کے نام تحریر فرمایا ہے اُس حالت کی تفصیل میں جو کہ قیامت میں اور موت اور نیند کے وقت میں پیش آتی ہے اس نسبت پر جو کہ اس دار (دنیا) میں حاصل ہوتی ہے اور جاگنے کی حالت میں پیش آتی ہے اور اس بارے میں کہ جس طرح دنیا میں عالم امر اصل ہے اور عالم خلق اس کے تابع ہے آخرت میں معاملہ برعکس ہے اور بعض کاملین ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی دنیا کے لئے آخرت کا حکم ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی من تبعہ فی سلوک المنہج القویم۔ میرے مخدوم! سنا گیا ہے کہ آپ اوقات کی تعمیر (آبادی) میں پوری کوشش کرتے ہیں اور حتی الامکان لایعنی امور میں مشغول نہیں ہوتے حمداً للہ سبحانہ علی ذلک [اس پر اللہ تعالیٰ کا حمد وشکر ہے] کتنی بڑی نعمت ہے کہ جوانی کے ایام اور کامیابی کے اسباب کی موجودگی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پاک بارگاہ میں متوجہ ہوکر اوقات کی جمعیت میں کوشش کی جائے اس نعمت عظمیٰ کا شکر بجالائیں اور اس کے اضافہ میں کوشش کریں لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ [اگر تم شکر کروگے تو میں ضرور تم کو اور زیادہ دوں گا] اور جان لیں کہ جمعیت صوری جو کہ ظاہر کے ساتھ وابستہ ہے معنوی نسبت کا اثر ہوتی ہے جو کہ باطن کا حصہ ہے اور ضروری نہیں ہے کہ باطن کی نسبت جیسی کہ وہ ہے ظاہر پر جلوہ گر ہوجائے کیونکہ وہ نسبت بمنزلہ اس کے معشوق کے ہے اور ظاہر اس کے عاشق کی مانند ہے اور (یہ بات) مشکل ہے کہ معشوق عاشق کی قید میں آجائے کیونکہ ناز وادا معشوق کی خصوصیت ہے اور جیسا اس کی دامنگیر ہے، عاشق بیچارہ معشوق کا جسقدر والہ وشیدا ہوگا اسی قدر

معشوق کے ناز و انداز کو زیادہ کرے گا اور وہ عاشق سے گردن کھینچے گا (منہ موڑے گا) اگرچہ باطن ظاہر کی امداد سے ترقی کرتا ہے اور اس کی دستگیری سے قرب کے مدارج میں عروج حاصل کرتا ہے۔ ؎

عاشقاں را نصیب از معشوق　　جز خرابی و جاں گدازی نیست

[عاشقوں کو معشوق کی طرف سے خرابی اور جاں گدازی کے سوا اور کچھ نصیب نہیں ہے]

عجیب معاملہ ہے (کہ) ظاہر باطن کی خدمات میں جسقدر کوشش کرتا ہے اور اس کی ترقی میں جسقدر عمدہ سعی کرتا ہے باطن اُس سے اُتنا ہی زیادہ بیگانہ ہو جاتا ہے اور اس کی آغوش سے زیادہ دور چلا جاتا ہے کیونکہ ظاہر کے طاعات و مجاہدات باطن کے حسن و تازگی کو زیادہ کرنے کا سبب ہیں اور اس کی صفتِ معشوقیت ۲۵۳
کہ ناز و استغنا (بے نیازی) جس کے لوازم سے ہے کمال کو پہنچ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انتہا میں نسبتِ باطن ادراک سے دور تر چلی جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نسبتِ باطن جسقدر جہالت کی طرف لیجاتی ہے اسی قدر زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے، العجز عن درک الادراک ادراک [ادراک کے حاصل کرنے سے عاجز ہو جانا ہی ادراک ہے] اور یہ ظاہر کا پیاسا ہونا اور نہ پانا اسوقت تک ہے جبتک کہ ظاہر کا کارخانہ قائم ہے اور جب اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور الرحیل (کوچ) کی آواز پہنچ جاتی ہے تو باطن میدان خالی پا کر سینکڑوں آب و تاب کے ساتھ بے پردہ ظہور کے جلوہ میں آجاتا ہے اور مُدرک ہو جاتا اور مطلوب کی نسبت کے ہم آغوش ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا حجاب جو کہ اس نسبتِ ظاہری وجہ سے تھا کوچ کر گیا اور نیز چونکہ موت قیامت کے مقدمات (پہلے آنے والی چیزوں) میں سے ہے مشہود اس جگہ اتم و اکمل ہے اور ظلیت سے دور اور اصالت سے نزدیک تر ہے اور چونکہ نیند کو موت کے ساتھ بھائی چارہ اور مناسبت ہے (اس لئے) بعض خوش نصیبوں کو نیند کے وقت میں ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو کہ موت کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے اور بیداری کی حالت پر فوقیت رکھتی ہوتی ہے۔ مصرع

زہے مراتب خوابے کہ بہ زبیداری ست　　[خواب کے مراتب کیا خوب ہیں کہ بیداری سے بہتر ہیں]

اس معاملہ کی تفصیل کو اس حقیر نے کسی دوسری جگہ لکھا ہے وہاں سے طلب کرنا چاہئے۔

جان لیں کہ جب برزخ صغریٰ (قبر) کا معاملہ انجام کو پہنچ جائے گا اور برزخ کبریٰ (قیامت) ظاہر ہو گی اور منتشر اجزا اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کریں گے اور معاملہ خلل سے رہائی پائے گا اس وقت میں قرب کی دولت بالاصالت بدن عنصری کے لئے ہو گی اور آیہ کریمہ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین (ملک) میں کمزور کیا جا رہا تھا اور ان کو پیشوا بنا دیں اور ان کو وارث بنا دیں)۔ ۲۸ ۵

کے مصداق اس نامراد غمگین بدن کو جو کہ کتنی ہی دنیاوی محنتیں اور شدتیں دیکھے ہوئے اور مخلوق کی زیادتی اور ایذا رسانی برداشت کئے ہوئے اور اوامر ونواہی کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا اور موت کی تلخی چکھے ہوئے اور قبر کی خاک رزی کے ساتھ موافقت کئے ہوئے اور فراق کی آگ اور شوق کی سوزش کے ساتھ جلا ہوا ہے سینکڑوں خوبی وناز کے ساتھ مخلوقات کے معرکہ میں تخت سلطنت پر بٹھا دیں گے اور نہایت عزت وجاہ کے ساتھ اس کو عالم امر کے لطائف کا امام وپیشوا بنا دیں گے اور دنیاوی معاملہ کے برعکس کہ (جس میں) باطن قرب کے معاملات میں اصل ہوتا ہے اور ظاہر اس کا تابع ہوتا ہے وہاں پر ظاہر اصل ہوتا ہے اور باطن اس کے تابع ہوتا ہے، اس معنی میں نہیں کہ باطن سے نسبت کو سلب کر کے ظاہر کو دیدیں گے اور اس کو ظاہر کے تابع کر دیں گے بلکہ اس معنی کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ باطن سابقہ نسبت کے ساتھ متمکن (مضبوط) رہتا ہے ظاہر کو ایک ایسا امر دیتے ہیں اور ایسا قرب وعزت بخشتے ہیں کہ باطن اپنے معاملہ کے باوجود شوق وآرزو کے ساتھ ظاہر کے تابع ہونا چاہتا ہے اور اپنی نسبت کو اس کی نسبت کے مقابلہ میں فانی اور مٹا ہوا دیکھتا ہے اذا جاء نھر اللہ بطل نھر عیسیٰ [جب اللہ کی نہر آگئی تو عیسیٰ کی نہر باطل ہو گئی]۔

۲۵۳ (تنبیہ) بعض کاملین ایسے ہوتے ہیں کہ اس عالم (دنیا) میں وہ کچھ پاتے ہیں کہ جو دوسرے لوگ کل (قیامت کے روز) پائیں گے اور آج ان کے ظاہر کو ان کے باطن پر فضیلت دیکر اس (ظاہر) کو متبوع اور اس (باطن) کو تابع کر دیتے ہیں اور ان کی دنیا کو آخرت کا حکم دیدیتے ہیں، ان (کاملین) کی آخرت کو اس پر قیاس کر لینا چاہئے کہ اس کا کیا حکم ہوگا، جیسا کہ ہمارے حضرت عالی قدس سرہ کو اس خطاب کے ساتھ مشرف فرمایا گیا ہے کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کا حکم (درجہ) دیدیا ہے ؎

اگر ایں لحظہ ممکن کار شب نیست زبخت مقبلاں ایں ہم عجب نیست

[اگرچہ اس وقت رات کا کام ممکن نہیں ہے لیکن اقبال مندوں کے نصیبے سے یہ بھی عجب نہیں ہے]

جاننا چاہئے کہ قرب نبوت عالم خلق کے ساتھ اور قرب ولایت عالم امر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس کسی کو قرب نبوت کے ساتھ نوازتے ہیں اس کے حق میں یہ کمال ثابت ہوتا ہے۔ مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں]

بات دوسری طرف چلی گئی مقصود یہ ہے کہ ظاہری جمعیت کے ساتھ رہیں اور المرء مع من احب [آدمی جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہے] کے بموجب محبت کی راہ سے اپنے بزرگوں کے ساتھ معیت پیدا کریں اور دور افتادہ دوستوں کو دعاؤں کے ساتھ یاد کرتے رہیں۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

مکتوب ۱۱۰

فقیر حقیر محمد عبید اللہ عفی عنہ کے نام عارف بلند مقام شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کی رباعی کی شرح میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ رباعی

نسخہ زلفش بکشی شب دراز آید ازو | چوں بگذاری چنگل باز آید ازو
در گر یک گرہ از پیچ و خمش بکشائی | عالم عالم مشک طراز آید ازو

[جب تو اس کی زلف کو کھینچے تو اس (کی وجہ) سے رات لمبی ہو جائے، جب تو اس کو چھوڑ دے تو اس کا پنجہ واپس آ جائے اگر تو اس کے پیچ و خم میں سے ایک گرہ کھول دے تو تمام عالم میں اس کی وجہ سے مشکِ طراز (ترکستان کا ایک حسن خیز شہر) پھیل جائے] کہتے ہیں کہ اس رباعی کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے قضا و قدر کے ستر (بھید) میں کہا ہے، اس کے حل کے بارے میں چند صورتیں (میرے) ناقص دل میں آتی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اپنی قدرتِ کاملہ کو حکمت کے پردہ میں چھپا دیا ہے اور اسباب کو جو کہ حکمت کا مقتضا ہیں قدرت کو چھپانے والا بنا دیا ہے اور قطعی دلائل کے ساتھ اپنی قدرت پر دعوت دی ہے اور نیز سبب و حکمت کے باقی رکھنے پر دلالت فرمائی اور سبب و مسبب کے ۲۵۵ درمیان جمع کرنے کو کمال قرار دیا، اسی وجہ سے حضرت یعقوب علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف اپنی کتاب مجید میں کی کہ انھوں نے دونوں (سبب و مسبب) کے درمیان جمع کیا جس جگہ کہ (قرآن مجید میں) کہا ہے: وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (سورہ ۱۲ آیت ۶۸) [اور اس میں شک نہیں کہ (حضرت یعقوبؑ) ایک علم رکھتے تھے جو ہم نے ان کو تعلیم فرمایا تھا لیکن اکثر لوگ (اس راز سے) واقف نہیں] پس جس شخص کی نظر عالمِ حکمت پر مقصور ہوئی اور وہ اسباب کی قید میں رہ گیا اور اس نے مسببِ حقیقی جل وعلا کی قدرت کا پتہ نہ لگایا وہ گمراہ ہو گیا اور ایک عالم (دنیا) کو گمراہی میں لے گیا اور جس شخص نے سبب کو درمیان میں سے بالکل اٹھا دیا اور حکیم مطلق عز برہانہٗ کی حکمت سے آنکھ بند کر لی اُس نے اللہ تعالیٰ کے عظیم کارخانے کو معطل (بیکار) کر دیا اور کام کو اہلِ عالم پر بند کر دیا اور جو شخص کہ سبب کو درمیان میں لایا اور تمام اشیا میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ جل وعلا کے فعل کو دیکھا وہ حق کے مرکز کے ساتھ ہدایت یافتہ ہوا اور دونوں مقاماتِ ہلاکت سے رہائی پا گیا اور عالم (دنیا) کو ہدایت کی طرف لے گیا۔

زلف جو کہ مجاز میں محبوب کے چہرہ کو چھپانے والی ہے حضرت شیخ کی رباعی میں گویا کہ حکمت سے کنایہ ہے جو کہ قدرت کے چہرہ کو چھپانے والی ہے، اگر تو اس کو قدرت کے چہرہ پر ڈالے اور قدرت کو اس سے چھپائے یا اس کو تو اپنے اوپر کھینچے اور اس کے ساتھ اٹک جائے اور قدرت کا پتہ نشان نہ لگائے تو اس سے رات دراز ہو جائے یعنی تاریکی و گمراہی جو کہ ہدایت کے نور کی طرف کوئی راستہ نہیں رکھتی اس سے ظاہر ہو جائے جب تو (اس کو) چھوڑ دے یعنی اگر تو حکمت کو ہاتھ سے جانے دے اور اسباب کو بالکل ترک کر دے تو پھر اس کا قبضہ ہو جائے یعنی وسعت و بسط کے باوجود تنگی و انقباض پیدا ہو جائے

مصرع　　گر یک گرہ از پیچ و خمش بکشائی

[اگر تو اس کے پیچ و خم سے ایک گرہ کھول دے] یعنی اگر تو سبب کو اپنی جگہ پر رکھے اور اس کے پیچ و خم کی گرہ کو کہ ایک دنیا جس کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور اس کے پیچ سے رہائی نہیں پائی ہے اور معاملہ کی حقیقت کی طرف نہیں دوڑی ہے کھولے اور اس کی بندش سے رہائی حاصل کر لے اور حقیقت کی طرف دوڑے اور جو اسرار کہ اسباب کی ایجاد میں ودیعت کئے گئے ہیں ان کے چہرہ سے گرہ کھولے اور ان اسرار پر اطلاع پائے تو دونوں طرف کی تنگی سے رہائی پا جائے اور بارگاہِ ذوالجلال کے وصول کی شاہراہ میں آجائے اور ایک دنیا کا رہنما ہو جائے چنانچہ (شیخ موصوف نے اس رباعی میں) کہا ہے:

عالم عالم مشکِ طراز آید از و

[تمام دنیا اس سے مشک کے ساتھ معطر ہو جائے] یعنی زلف جو کہ کثیر جماعت کی گمراہی کا سبب ہے اس وقت میں ہدایت و رہنمائی کا وسیلہ ہو جاتی ہے کہ "مشکِ طراز آید" اسی سے کنایہ ہے یا اس وقت میں خاص اس شخص کو اُس زلف سے مشک طراز حاصل ہے کیونکہ مشکِ طراز کی خاصیت یہی ہے کہ وہ آفاق (دنیا) میں پھیل جاتی ہے اور ایک دنیا اس کے ساتھ گمراہی سے ہدایت کی طرف آجاتی ہے۔

۲۵۶ (اس رباعی کی شرح کی) دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ کے افعال کا خالق حق تعالیٰ جل سلطانہ ہے لیکن بندہ کا کسب حق تعالیٰ کے فعل کو چھپانے والا ہو گیا ہے پس زلف سے مراد بندہ کا کسب ہے اور اس صورت میں زلف کی اضافت اُس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ بندہ کا کسب بھی اللہ تعالیٰ کی واضح قدرت کے ساتھ مستند ہے اگر تو اس کو فعل کے چہرے پر یا اپنے اوپر کھینچے (یعنی اپنی طرف منسوب کرے) اور بندہ کے فعل کو بندہ کا مخلوق جانے جیسا کہ قدریہ کا مذہب ہے تو گمراہی کو بڑھائے گا اور اگر تو بندہ کے کسب کو مطلقاً منظور نہ رکھے اور جبر کی طرف جائے تو پھر اس کے چنگل (قبضہ) میں آجائے اور طاعات و بندگی سے عاجز رہ جائے اور اگر تو گرہ کو کسب کے چہرے سے کھولے اور حق تعالیٰ کی صنعت کو درمیان میں

مطالعہ کرے اور بندہ کے فعل کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جملہ مخلوقات میں سے اور بندہ کا کسب جانے اور جبر و تفویض کی درمیانی راہ حق کو مانے تو ہدایت پا جائے اور ایک عالم (دنیا) کو ہدایت کی طرف لے جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر تو کثرت کو جو کہ وحدتِ حقیقی کے چہرے کو چھپانے والی ہے وحدت کے چہرے پر کھینچے اور کثرت کے شہود کے ساتھ وحدت کے شہود سے عاجز رہ جائے تو کثرت کی کثیر ظلمتوں میں جا پڑے اور وحدت کے نور سے محجوب (محروم) ہو جائے اور اگر تو کثرت کو درمیان سے اٹھا دے اور مرتبہ جمع میں مستہلک (فانی) ہو جائے اور افعالِ کثیرہ کو ایک فاعل کا فعل جانے اور بندوں کی حرکتِ اختیاری کو رعشہ کے مرض والے شخص کی حرکت کی مانند پائے اور اسباب کو درمیان میں نہ دیکھے اور کفرِ حقیقی کے ساتھ متحقق ہو جائے تو وہ بلا شبہ باز کے چنگل اور صیاد کی گرفت میں آ جائے گا اور تو جیسا کہ ہونا چاہئے مقامِ ارشاد کے لائق نہیں ہوگا اور اگر تو کثرت کو جو کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی مصنوع (بنائی ہوئی) ہے اور مراتب (وجود) میں سے ایک مرتبہ ہے اپنی جگہ پر رکھے تو اس کی قید و بندش سے رہائی پا لے یا جو اسرار کہ کثرت میں ودیعت کئے گئے ہیں ان کے چہرے سے گرہ کو کھولے اور کثرت کے آئینوں میں غیبی اسرار کا اس طرح مطالعہ کرے کہ ایک کا شہود دوسرے کے شہود کا مانع نہ ہو اور جمع سے جمع الجمع میں آ جائے اور فرق بعد الجمع کی طرف مائل ہو جائے اور اسباب کو درمیان میں دیکھے اور بندوں کے افعال کو اہلِ حق کے قول کے موافق پائے اور قضا و قدر کے سر (بھید) پر مطلع ہو جائے اور کفرِ حقیقی سے اسلامِ حقیقی کے ساتھ مشرف ہو جائے اور دعوت کے مقام پر جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے پہنچ جائے کہ بزرگوں نے کہا ہے "النهایة هی الرجوع الی البدایة" [ہدایت (ابتداء) کی طرف رجوع کرنا ہی نہایت ہے] تو تمام دنیا میں اس سے مشک طراز پھیل جائے، وہ کثرت جو مطلوب سے دوری اور محرومی کا سبب تھی اس کے قرب و وصال کا وسیلہ بن جائے تا کہ تجھ کو اس مقام کے باعث تکمیل و ارشاد حاصل ہو جائے۔

چوتھی صورت، جو اگرچہ بلا حیلہ و تکلف قضا و قدر کے سر سے مناسبت نہیں رکھتی یہ ہے:

"زلفش بکشی شب دراز آید زو" میں زلف پردہ تعین سے کنایہ ہے جو کہ ذات تعالیٰ کی غیب ہویت کے چہرہ پر اعتبار کیا جاتا ہے اور مرتبہ لاتعین کو متعین کر دیتا ہے اگر تو اس پردہ کو درمیان سے کھینچ لے اور اٹھا دے اور اس (غیبِ ہویت) کے پیچھے دوڑے تو غیب کی ظلمت ظاہر ہو جائے اور راستہ گم ہو جائے اس لئے کہ تعین کے ماوراء میں (آگے) کہ لاتعین ہے سیر و سلوک و معرفت و شہود مفقود ہے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اس بلند مرتبہ سے سوائے محرومی کے کچھ نصیب نہیں رکھا ہے جب تو اس زلف کو چھوڑ دے گا تو پھر اس کا ۲۵۷

چنگل (پنجہ قبضہ) آجائے گا" یعنی اگر تو تعین کے پردے کو اس کے حال پر چھوڑ دے گا اور اس کو طلب کریگا تو تجھ کو شکار کر لیں گے اور اگر تو اس کا اہل ہوگا تو تیرے ماسوا سے تجھ کو لے لیں گے اور چونکہ طالب صادق نے اس مقام میں ذاتِ بحت اور غیب ہویت سے مطلق محرومی اور محض محجوبیت سمجھ لیا ہے اس لئے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ "اگر تو اس کے پیچ و خم سے ایک گرہ کھول دے" یعنی اگر تو اس تعین کی حقیقت کو جیسی کہ وہ ہے پالے اور اس کی دو نمائی (دو دکھلانے والی) کی گرہ کو کھول دے اور یہ جان لے کہ یہ تعین ذات تعالیٰ میں محض اعتبار ہے اور متعین (ذاتِ حق) پر ہرگز کوئی زیادتی نہیں رکھتا اور نیز جان لے کہ یہ پردہ کس کے پردہ کے انکشاف و ظہور کا سبب ہے چنانچہ مولوی جامی قدس سرہ نے کہا ہے ؎

باگل رخِ خویش گفتم اے غنچہ دہاں — ہر لحظہ مپوش چہرہ چوں عشوہ دہاں
زد خندہ کہ من بعکس خوبانِ جہاں — در پردہ عیاں باشم و بے پردہ نہاں

[میں نے اپنے پھول جیسے رخسار والے محبوب سے کہا کہ اے غنچہ جیسے منہ والے ناز و کرشمہ کے منہ والوں کی طرح ہر وقت چہرہ کو مت چھپا، وہ ہنسا کہ میں دنیا کے حسینوں کے برعکس پردہ میں ظاہر ہوتا ہوں اور بے پردہ پوشیدہ رہتا ہوں] تو "عالم عالم مشک طراز آید از و" یعنی اس پردہ نے جب محرومی سے رہائی دی اور بے نصیبی سے چھٹکارا بخشا اور اس بے نشان کا کچھ پتہ نشان دیدیا اور مطلوب کو ظاہر و نمایاں کر دیا تو مشک طراز اس سے ظاہر ہوئی اور وصال کی بو عطا کی اور لازوال شراب کا مدہوش کر دیا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب ۱۱۱

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام اُن کے احوال کی شرح میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ حامداللہ تعالیٰ ومصلیا علی رسولہ الکریم [اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اور اس کے رسول کریم پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں]۔ آپ کے مکتوباتِ گرامی پے در پے و یکے بعد دیگرے پہنچے خوشوقت و لذت اندوز بنایا، صد شکر ہے کہ آپ فقراء کی یاد سے غافل نہیں ہیں اور ہمت کی نگاہ ایک مطلب پر چھائی ہوئی ہے کبھی اس کے وصال کے خیال کے ساتھ خوش و خرم ہیں اور کسی وقت اس کے نہ ہونے کے وہم سے غمزدہ ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

جاناں غمِ خود دواند اندر برِ من — من شادیِ خود فدائے جاناں کردم

[محبوب نے اپنا غم میرے پہلو میں دوڑا دیا ہے، میں نے اپنی خوشی محبوب پر فدا کر دی ہے]

ص ۲۵۸ آپ اکثر خاتمہ کا خوف غالب آنے کی بابت لکھتے رہتے ہیں۔ میرے مخدوم! یہ ایسا غم ہے جو قبر کے کنارے تک ساتھ ہے، کسی مسلمان کو اس غم سے خالی نہ رہنا چاہئے خواہ (یہ غم) تھوڑا ہو یا زیادہ، جس کسی کو دوسری شق (غمِ کثیر) عطا ہو جائے تو اس کے ایمان کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے ہر اس نعمت کا شکر بجا لائیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [اگر تم شکر کرو گے تو ضرور میں تمہیں اور زیادہ دوں گا] ابراہیم ۷
آپ نے لکھا تھا کہ ایمان حاصل ہونے کے بارے میں کوئی بشارت میسر نہیں ہوئی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ آپ نے کامل ایمان طلب کرنے کی بشارت پائی ہے کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ "ہمیشہ استدعا کرتا تھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس شخص کو ذرہ ایمان نصیب کرے، اب اس بیماری میں جو کہ ماہ رمضان میں لاحق ہوئی تھی الہام کیا گیا کہ ہماری بارگاہ میں کوئی کمی نہیں ہے ایمان کامل کی طلب کرا تو اور جب کوئی کریم ایسی چیز کے مانگنے پر جو کہ اس کے پاس ہے رہنمائی کرے تو عطا کرنے کی نشانی ہے، اگر آپ صریح بشارت بھی پائیں (تو وہ) چونکہ قطعی نہیں ہے (اس لئے) نفسِ ابہام باقی ہے اور خوف دامنگیر ہے ہر چند ابہام سے الہام تک فرق ہے۔ دیگر آپ نے لکھا تھا کہ "بعض اسرار اس بیماری میں حاصل ہوئے ہیں کہ جن کو تحریر برداشت نہیں کر سکتی يَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي [میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے الشعراء ۱۳
اور میری زبان نہیں چلتی] ان اسرار کے حسبِ حال ہو جاتا ہے اگرچہ منکشف ہیں اور اظهر من الشمس [سورج سے زیادہ ظاہر] ہو گئے ہیں لیکن تقریر و تحریر میں ہرگز ٹھیک نہیں آتے اس کے مطالعہ سے بہت لطف اندوز ہوا اللّٰھم زد [اللہ تعالیٰ اور زیادہ کرے] لیکن اگر آپ اسقدر لکھتے کہ وہ اسرار کس قسم کے ہیں اور کس چیز سے متعلق ہیں صرف تعقل (سمجھ) سے وابستہ ہیں یا تحقق (حصول) کے بارے میں ہیں تو گنجائش تھی۔" آپ نے صوفی محمد شریف کی بے ادبیوں کے بارے میں دوبارہ لکھا ہے۔ میرے مخدوم! اس نے جو بے ادبی بھی کی ہے صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں کی ہے (بلکہ) اس سلسلہ کے بزرگوں کے ساتھ (بھی) کی ہے، جب آپ جو کہ اس کے پیر ہیں اس سے آزردہ رہیں گے تو تمہارے لئے اس کے ساتھ کیا آشنائی رہے گی، انتقامی قوت اس فقیر میں بہت کم ہے دو کلمے غیرت کے تقاضے سے اس کو لکھے گئے ہیں اگر اس نے اثر قبول کیا تو اچھا ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ آپ نے لکھا تھا بے حلاوتی ہمت کی بلندی کی وجہ سے ہے یا استعداد کی کمی کی وجہ سے۔ میرے مخدوم! نسبتِ باطن جسقدر زیادہ بلند ہو جاتی ہے جہالت کے زیادہ نزدیک ہو جاتی ہے ظاہر کو بے حلاوت رکھتی ہے کیونکہ باطن سے زیادہ دور جا پڑتی ہے اور زیادہ بیگانہ ہو جاتی ہے، عارف معرفت میں جسقدر پیشقدمی کریگا اسی قدر نایابی اور عدمِ شناخت زیادہ حاصل کرے گا اور جسقدر زیادہ نزدیک ہوتا جائے گا اتنا ہی زیادہ دور

جا پڑے گا پس وہ واجد فاقد (ایسا پانے والا جو نہ پانے والا ہو) اور قریب بعید (ایسا قریب جو بعید ہے) وہی رسّی بٹنے والے کے شاگرد کا قصہ ہے جو اپنے استاد سے کہتا تھا کہ میں جس قدر زیادہ کام ۲۵۹ ر
کرتا ہوں تجھ سے زیادہ دور ہوتا جاتا ہوں۔ آپ نے لکھا تھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کا رجوع کرنا کمال کے ساتھ وابستہ نہیں ہے" ہاں اسی طرح ہے جبکہ مخلوق میں مقبول ہونا خالق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہوتی کیونکہ باطل چیزوں کو بھی مخلوق کی قبولیت حاصل ہے تو (یہ) کمال کی دلیل کیسے ہو سکتا ہے۔ والسلام علیکم۔

مکتوب ۱۱۲

شیخ محمد شریف کابلی کے نام خطا کے موقع پر تنبیہ کے متعلق اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ مرید کو پیر کی خوشنودی طلب کرنا لازم ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد بیان کیا جاتا ہے اس اثنا میں سنا گیا تم نے مولانا محمد صدیق کو جو کہ تمہارے پیر ہیں رنج پہنچایا ہے اور گستاخیاں و بے ادبیاں کی ہیں اور سابقہ سلوک میں بہت تبدیلیاں آ گئی ہیں اور مولانا تم سے بہت زیادہ رنجیدہ ہیں اس حد تک کہ معاملہ تبرا (بیزاری) اور اجازت کے سلب تک پہنچ گیا ہے اُن تواضعات اور فنائیتوں اور خدا طلبیوں سے جو کہ تم سے ظاہر ہوتی تھیں یہ امور بہت ہی خلافِ توقع اور نہایت تعجب خیز ہیں جب تم پیر سے قطع تعلق کرتے ہو تو پھر کس کے ساتھ تعلق جوڑو گے شاید اللہ تعالیٰ جل شانہ سے بھی قطع تعلق چاہتے ہو، مریدوں کی وجہ سے پیر سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہیے اور مخلوق کی رضامندی کے لئے خالق تعالیٰ شانہ سے قطع تعلق نہیں کیا جا سکتا کیا مصیبت ہے، دنیا سے حقوق اُٹھ گئے۔ تم جیسے لوگوں سے بھی اس قسم کی نازیبا حرکات ظاہر ہوتی ہیں پس دوستوں اور اہلِ ارادت سے اعتماد اٹھ گیا جو شخص . . . تربیت حاصل کرے گا اور کچھ قبولیت بہم پہنچا لے گا یا وہ کسی وقت میں کچھ صفائی (اپنے اندر) دیکھے گا وہ پیر سے روگردانی اور ترکِ آشنائی اختیار کرے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ہونا چاہیے کہ ان امور کے مشاہدہ کے ۱۵٦
ساتھ پیر کے ساتھ محبت کا رابطہ اور اعتقاد کی مضبوطی اور زیادہ ہو جائے اور اس کے آستانے کے ساتھ انکساری و خاکساری زیادہ سے زیادہ ظاہر کرے کیونکہ یہ دولت اس کی پھیلائی ہوئی ہے اور یہ صفائی و قبولیت اس کے انوار و برکات سے ہے، نہ کہ اس سے سرکشی کرے اور رعونت (غرور) بہم پہنچائے کیونکہ

اس وقت میں مشیخت (پیری مریدی کرنا) اور طالبوں کے ساتھ صحبت رکھنا طریقت کے محرمات میں سے ہے ایمان کا سلامت رہنا ہی عجیب بات ہے طالبین سے صحبت رکھنا ایک علیحدہ امر ہے۔ نفحات میں ایک بزرگ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص تیرے پیر کو رنجیدہ کرے اور تو اس سے نفرت نہ کرے تو کتا تجھ سے بہتر ہے، چہ جائے کہ مرید خود پیر کو رنج پہنچائے، تم نے غلط سمجھا ہے، جلدی تدارک کرو اور جس طرح سے بھی مولانا راضی ہوں اُن کو اپنے آپ سے راضی کرو اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے، اگر مولانا راضی ہیں تو ہم بھی راضی ہیں ورنہ ہم بھی راضی نہیں ہیں، ہمارا راضی ہونا مولانا کے راضی ہونے کی فرع (شاخ) ہے۔ ایک شخص ۲۶۰
کہتا تھا کہ تم سرہند آنے کا ارادہ رکھتے ہو، مولانا کو راضی کئے بغیر سرہند آنا محض بے فائدہ ہے کہ پھر پشاور جانا اور (مولانا کو) راضی کرنا پڑے گا جب مولانا ہم کو لکھیں گے کہ ہم فلاں شخص سے راضی ہوگئے ہیں اس کے بعد ہم بھی راضی ہیں خواہ تم (یہاں) آؤ یا نہ آؤ۔ میرے مخدوم! جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تمہاری دوستی اور بھلائی کے لئے لکھا گیا ہے برا نہ مانیں۔ ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم — تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

[میں تجھ سے وہ بات کہتا ہوں جس کا پہنچانا ضروری ہے خواہ تو میری بات سے نصیحت حاصل کر یا رنجیدہ ہو]

نصیحت بظاہر تلخ ہے، سعادت مند وہ ہے جو اس تلخی کو شکر کی طرح چبائے اور معنوی شیرینی سے بہرہ مند ہو، چونکہ مولانا کے بہت سے خطوط تمہاری مختلف قسم کی شکایتوں کے بارے میں پہنچے اس بنا پر لکھا گیا، نہایت تاکید ہے کہ ان چیزوں سے جو کہ درمیان میں آگئی ہیں آپ شرمندہ ہوں اور مولانا کی رضامندی میں (دل و) جان کے ساتھ کوشش کریں۔

مکتوب ۱۱۳

مخدوم زادہ عالی قدر جامع علوم ظاہری و باطنی خواجہ محمد نقشبند سلمہ ربہ کی خدمت میں آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ کی تاویل میں تحریر فرمایا۔ ۲۴ ۳۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حدیث شریف میں آیا ہے: اول ما خلق اللہ نوری [اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے] سب سے پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ نور محمدی تھا علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ، اور تمام علوی و سفلی مخلوقات کو اس نور سے پیدا کیا اور حق تعالیٰ گویا اس جگہ پر اپنی تعریف اس نور کے ساتھ کرتا ہے جہاں فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ اَیْ ذُو نُورِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی آسمانوں اور زمین کے ۲۴/۳۵
نور کا مالک ہے] حق سبحانہ وتعالیٰ اس نور کا مالک ہے کہ جس نور سے سب آسمان اور زمینیں اور جو کچھ
ان سب کے درمیان میں ہے وہ سب کچھ پیدا ہوا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ (یعنی) اس نور کی صفت (مثال)
جو کہ اس ذات (اللہ) تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور وہ نور گویا تعینِ اول اور حقیقتِ محمدی علیٰ
صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے کنایہ ہے کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ طاقچہ میں (رکھے ہوئے) ایک
چراغ کی مانند ہے اور کافِ تشبیہ کا مشکوٰۃ پر داخل ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ مشکوٰۃ (طاقچہ) مصباح
(چراغ) پر مشتمل ہے اور مشکوٰۃ آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ عنصری کو تصور کرنا چاہیے
اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ وہ چراغ شیشہ کی قندیل میں روشن ہے اور وہ قندیل گویا اس خلاصۂ موجودات
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باطن مبارک ہے کہ اس نور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطن کی راہ
سے بدنِ عنصری کے ساتھ تعلق حاصل کر لیا ہے اور باطن یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک ہے ۲۶۱
یا آپ کی ہیئتِ وحدانی ہے جو کہ عالمِ خلق و عالمِ امر کے دس اجزا کی ترکیب سے حاصل ہوئی ہے۔
یا ہم کہتے ہیں کہ زجاجہ (قندیل) تعینِ وجودی سے کنایہ ہے جو کہ تعینِ ثانی ہے کیونکہ تعینِ اول جو کہ تعینِ حُبّی ہے
مافوق کی نسبت سے تعینِ وجودی کے احاطہ میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ زجاجہ تعینِ علمی سے کنایہ ہو کیونکہ
علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خصوصیت ہے جو کسی دوسری صفت کو نہیں ہے اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت کے ساتھ اس صفت کے لئے ایک بھید ہے کہ کوئی دوسرا اس کا
محرم نہیں ہے اس لئے ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مطابق اُس (اللہ) تعالیٰ
کے نزدیک سب سے محبوب صفت یہی صفت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ زجاجہ تعینِ وجودی اور مشکوٰۃ
تعینِ علمی ہو۔ مختصر یہ ہے کہ اَلزُّجَاجَۃُ (یعنی) وہ آبگینہ جس معنی میں بھی ہو کمال صفائی و تازگی کے
باعث کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ گویا وہ ایک درخشاں ستارہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ تعینِ اول و حقیقتِ محمدی ہمارے حضرتِ عالی (قدس سرہ) کے نزدیک تعینِ حُبّی
ہے پہلی چیز جو کہ مرتبۂ اطلاق اور پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں آئی اور متعین ہوئی وہ حُب ہے
جو کہ اعتبارِ وجود کا مبدأ ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت
الخلق لاعرف [میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں]
اس پر دلالت کرتی ہے، یہ تعینِ حُبّی جو کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیتِ ذاتیہ کا منشأ ہے
دائرہ کا مرکز ہے اور اس کا محیط خلّت ہے جو کہ حقیقتِ ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے

مرکز کا حُسن ملاحت کے حُسن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور محیط کا حسن صباحت کے حُسن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، صباحتِ حُسن ایک تفصیل ہے جو بیان ہو سکتی ہے جیسا کہ عالمِ مجاز میں اس کو خوش قامتی اور رخساروں کی صباحت اور آنکھ و ابرو کی لطافت وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ملاحت ایک معنوی حسن ہے اور ذوقی ادا ہے جو کہ تعبیر کے احاطے سے باہر اور مذکورہ بالا خوش قامتی و لطافت سے ماوراء ہے کہ جس سے اس حُسن (صباحت) کو تعبیر کرتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

آں دارد آں نگار کہ آنست سرِ حیست   آنرا طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست

[وہ معشوق ایسی شان رکھتا ہے کہ جو چھپی ہے، اے ساتھیو! اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے]

اور یہ ایک تعین کا مرکز و محیط ہے جو کہ اُس کے اشرف و اسبق اجزا کے ساتھ مسمی ہے کہ مرکز یعنی حُب ہے اور دوسرا تعین تعینِ وجودی ہے کیونکہ حُب ہی ہے جو کہ وجود و ایجاد کا سبب بنی ہے
اور تعینِ علمی تعینِ وجودی کے نیچے ہے اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن سب سے زیادہ ۲۶۲
جامع حصہ ہے جیسا کہ اس کی تحقیق دوسری جگہ لکھی جا چکی ہے۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں کہ وہ روشن چراغ جو کہ آبگینہ (شیشہ) میں ہے یُوقَدُ جلایا جاتا ہے اور اس کے نور کو زیادہ کیا جاتا ہے مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ بہت برکت والے اور بہت فائدے والے درخت سے جو کہ زیتون کا درخت ہے کہ شام کی مقدس سرزمین میں اُگا ہے یہ مبارک درخت گویا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خُلّت کی حقیقت سے کنایہ ہے اور چونکہ آں حضرت (ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) شجرۂ انبیا ہیں اور قرآن مجید میں آپ کے حق
میں وارد ہوا ہے وَبٰرَکْنَا عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ [اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) پر اور اسحاق پر برکت ۳۷/۱۱۲
نازل کی] اس بنا پر شجرۂ مبارکہ کو آپ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور زیتون کو آپ کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ زیتون کے اُگنے کی جگہ ملکِ شام کی سرزمین ہے اور نیز (یہ) درخت مبارک ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ستر پیغمبران علیہم السلام نے اس پر برکت کی دعا کی ہے کہ جن میں سے ایک حضرت خلیل علیہ السلام ہیں اور نیز روایت کرتے ہیں کہ زیتون پہلا درخت ہے جو کہ (نوح علیہ السلام کے) طوفان کے بعد اُگا ہے اور آں حضرت (خلیل اللہ علیہ السلام) بھی پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جو کہ (نوح علیہ السلام کے) طوفان کے بعد ظہور فرما ہوئے ہیں اور چونکہ خُلّت کی حقیقت زمین و آسمان کے طبقات سے بہت بلند ہے (اس لئے) اس کو لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ [نہ وہ شرقی رخ ہے اور نہ غربی رخ] فرمایا، یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ قریب ہے کہ اس درخت کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ مس نہ کرے۔

یعنی حقیقتِ خلّت روشنی اور ہدایت دینے میں اس درجہ کی ہے کہ بغیر اس کے کہ محبت کی آگ اس سے مشتعل ہو روشنی دینے والی ہے اور اس کی صباحت ملاحت کی ملاوٹ کے بغیر مطلوب کی طرف رہبر ہے اور جب ولایتِ ابراہیمی ولایتِ محمدی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور محبت کا شعلہ خلّت سے روشن کیا جاتا ہے اور اس ولایت کی صباحت اُس ولایت کی ملاحت کے ساتھ مل جاتی ہے اور محیط کے کمالات مرکز میں رونما ہو جاتے ہیں نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ تو نور پر نور بڑھ جاتا ہے اور صباحت کا نور ملاحت کے نور کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے اور ابراہیمی نور محمدی نور علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور ملاحت صباحت کے ساتھ رنگین ہو جاتی ہے ؎

پدر نور و پسر نورے ست مشہور ازیں جا فہم کن نُوْرٌ عَلٰی نُوْر

[باپ نور ہے اور بیٹا ایک مشہور نور ہے یہیں سے نُوْرٌ عَلٰی نُور کو سمجھ لے] انہی دو نوروں کے اجتماع اور دو سعادتوں کے یکجا ہونے سے محبوبیتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور معاملہ عبودیت ۲۶۳ کے دو طوق سے ایک طوق تک آجاتا ہے اور ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کے امر سے جو مقصود ہے وہ پوری طرح سے ظہور تک پہنچ جاتا ہے اور کما صلیت [جیسا کہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیمؑ پر] کی دعا کامل طور پر قبول ہو جاتی ہے (پس) یہ کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں کامل طور پر حاصل ہو گیا اور جس چیز کی دعا کی گئی ہے وہ قبول ہو گئی الحمد للہ سبحانہٗ علیٰ ذٰلک وعلیٰ جمیع نعمائہٖ حمداً کثیراً کثیراً [اس پر اللہ سبحانہٗ کے لئے حمد ہے اور اس کی تمام نعمتوں پر بکثرت حمد ہے]

اس معاملہ کے حاصل ہونے کے بعد جو توجہ کہ یہ خود ان پسماندگان کے حال کے ساتھ رکھتا تھا بہت کم ہو گئی ہے اور امت کے افراد میں سے ایک فرد کو ان کی نگہبانی پر مقرر کر دیا ہے اور خود خاص خلوتخانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت رکھتا ہے علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوات والتسلیمات والبرکات والتحیات۔

اور بعض امور کی تفصیل جو بیان اجمال کے ساتھ ذکر کی گئی ہے ہمارے حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے مکتوبات قدسی آیات سے طلب کرنا چاہئے۔ والسلام

مکتوب ۱۱۴

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام بلندیٔ ہمت و محبت وحزن کی فضیلت میں تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ برادر عزیز مولانا محمد صدیق کے گرامی نامے نے وصول ہو کر مسرور کیا

آپ نے جو عنایات و برکات، بلند ہمتیوں، پیاس (طلب) اور دیوانگیوں کے وارد ہونے کے بارے میں تحریر فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے لذت اندوز ہوا، آدمی کے جوہر کی قیمت اس کی ہمت کے موافق ہے اور جوہر جس قدر زیادہ قیمتی ہوگا اسی قدر زیادہ محبوب و مرغوب ہوگا، یہی وجہ ہے کہ روایت میں آیا ہے ان اللہ یحب معالی الھمم و یبغض مسافلھا [بیشک اللہ تعالیٰ بلند ہمتیوں کو پسند کرتا ہے اور پست ہمتیوں سے بغض رکھتا ہے] بلند ہمتی جب محبت وارفتگی کے نشہ کی کیفیت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور حزن و عشق کے ساتھ یکجا ہو جاتی ہے تو نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے اور قیمت پر قیمت بڑھاتی ہے اور ترقی کی راہ زیادہ سے زیادہ کھول دیتی ہے من یرد اللہ بہ خیرا جعل فی قلبہ نائحۃ [جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کے قلب میں اپنا گریہ پیدا کر دیتا ہے] اور نیز (روایت میں) آیا ہے ان اللہ یحب کل قلب حزین [بیشک اللہ تعالیٰ ہر غمگین دل کو پسند کرتا ہے] حضور انور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر کسی امت میں کوئی غمگین شخص روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رونے کی وجہ سے اس امت پر ضرور رحم کرتا ہے مصرع

اے شادیٔ آں دل کہ دراں دل غم تست

[جس دل میں کہ تیرا غم ہے وہ دل کتنا خوش ہے] عشق و درد ہی تو ہے جس نے آدمی کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے اور قرب و معرفت کی دولت سے نوازا ہے، جو شخص کہ محبت و شیفتگی کے نشہ سے خالی ہے وہ حیوانات کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اگر انسان کے لئے فضیلت و بزرگی عشق و محبت کو قرار دیا جائے تو کس قدر اچھا اور زیبا ہے مکمل طور پر محدود عقل کا پابند نہیں ہونا چاہئے اور اس قید سے ۲۶۳
تھوڑی سی رہائی طلب کرنی چاہئے اس قید سے کسی جگہ پہنچنا دشوار ہے ؎

دل اندر زلف لیلیٰ بند کار از عقل مجنوں کن
کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خردمندی

[دل کو لیلیٰ کی زلف میں قید کر دے (اور) مجنوں کی عقل سے کام کر کیونکہ عقلمندی کی باتیں کرنا عاشق کے لئے نقصان دہ ہیں] میرے مخدوم! ملا محمد شریف کابلی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس نے ان دنوں میں (اپنی) بہت زیادہ اصلاح کر لی ہے اور سابقہ عادات کو تبدیل کر لیا ہے اس بنا پر گنجائش ہے کہ اس کی لغزشوں کو معاف کر دیا جائے اور چونکہ ہدایت و اثر والی صحبت رکھتا ہے اس کو اس عظیم امر پر مقرر کیا جائے اور تعلیم طریقت کی اجازت دیدینی چاہئے اور چونکہ آپ اس کے عادات و اطوار سے فقیر سے زیادہ واقف ہوں گے خوب غور اور استخارہ کر کے دل کے مائل ہونے کے بعد اسکو سرِ حلقہ مقرر کریں اور طریقہ سکھانے کی اجازت دیدیں جس درجہ کا اخلاص و ارادت بھی رکھتا ہے غنیمت ہے بظاہر کوئی دوسرا اس سے ظہور میں آئیگا جو کہ اس سے بہتر ہوگا آپ کے اجازت دینے کے بعد فقیر بھی اس کے موافق اس کو کچھ لکھ دیگا والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم۔

مکتوب ۱۱۵

شیخ عبد اللطیف لشکر خانی کے نام محبوبِ حقیقی جل شانہ کے تنزیہ (پاکی) کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی رسول اللہ، اس مسکین کی غریبانہ دعا فتوحِ ابواب کا وسیلہ ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حمد و شکر ہے کہ اس نواح کے فقراء کے حالات نیکی کے طریقہ پر ہیں اور ایک نگرانی کے سوا کسی طرح پر بھی کوئی دوسری نگرانی نہیں ہے اور ظاہری گرفتاریوں (پابندیوں) کے باوجود حقیقت میں ایک ہی گرفتاری ہے اگرچہ اس بے نشان کا کوئی پتہ نشان حاصل نہیں ہے، اس جگہ کا تمام کاروبار سوز و گداز ہے اور اس طرف کی تمام بود و باش درد و انتظار ہے، ایک پوشیدہ درد ہے اور نالہ کے بغیر ایک سوز ہے اور بے حد ہے۔ مصرع کہ می سوزد دروں چوں شمع و پیراہن نمی سوزد

(کہ باطن شمع کی طرح جلتا ہے حالانکہ پیراہن (لباس ظاہر) نہیں جلتا)

مکتوب ۱۱۶

میرزا عبید اللہ کے نام حق سبحانہ وتعالیٰ کی ورائیت کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادرِ رشید عبید اللہ بیگ اس ناکارہ کو دعائے ۲۶۵
خیر سے فراموش نہ کریں اور ہمیشہ قرب کے مراتب میں جذبات و عنایات کے ساتھ ممتاز رہیں اور گفتگو سے خموشی میں اور علم سے نادانی میں آئیں بلکہ سلوک و جذبہ کے مراتب کے لئے کوشش کریں اور معرفت و جہل (نادانی) سے برتر کو تلاش کریں کیونکہ ہم جس امر کے درپے ہیں وہ جذبہ و سلوک سے بلند تر ہے اور آفاق و انفس سے باہر اور فنا و بقا، تجلیات و ظہورات، دخول و خروج، قرب و بعد، توحید و اتحاد، شہود و مشاہدات، لفظ و معنی، علم و جہل، کثرت و وحدت، اسم و صفت، قید و اطلاق، شیون و اعتبارات، موہومات و متخیلات و مکاشفات اور تجلی افعال و صفات و ذات تعالیٰ و تقدس سے ماوراء ہے۔ اصل اس بارگاہ سے ظل کی طرح راہ میں ہے پس وہ سبحانہ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ یہ ورائیت قرب کی جانب میں ہے نہ کہ بُعد کی جانب میں، جو کچھ تصور کیا جائے اس سے نزدیک تر ہے بلکہ اس شخص کی ذات سے بھی اس شخص کے زیادہ نزدیک ہے بُعد کی جانب میں ورائیت (ماوراء ہونا) وہم کی جولانگاہ ہے اور

یہ ورائیت عقل و ادراک اور وہم و خیال کی آنکھ سے باہر ہے کیونکہ فہم و وہم کسی اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتے پس وہ ذات تعالیٰ و تقدس وجود میں سب سے زیادہ قریب اور وجدان سے بہت ہی بعید ہے، یہ کمال کمالاتِ ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والبرکات میں سے ہے اس لئے کہ کمالاتِ ولایتِ اولیاء مراتبِ قرب میں منحصر ہیں کیونکہ قرب کی غایت (انتہا) اتحاد اور دوئی کا رفع ہونا ہے جو کہ اس ولایت کی نہایت ہے اور اقربیت کا معاملہ اتحاد سے بھی زیادہ نازک تر ہے، اتحاد سے گذر جانا چاہئے تاکہ اقربیت کا معاملہ رونما ہو جائے۔ مصرع لذتِ مے نشناسی بخدا تانہ چشی

[خدا کی قسم جبتک تو نہیں چکھے گا شراب کی لذت کو نہیں پہچانے گا]

مکتوب ۱۱۷

مُلّا شہداد کے نام فنائے قلب و نفس کے حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں تحریر فرمایا۔

دعائیں دینے کے بعد برادرم ملا شہداد کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس فقیر کے احوال لائقِ حمد ہیں اور دوستوں کی خیریت کے لئے دعا و امید کی گئی ہے، چاہئے کہ سنت کی اتباع میں کوشش کریں اور اوقات کو طاعات کی پابندیوں کے ساتھ آباد کرنے میں پوری پوری کوشش کریں اور ذکر و قلبی توجہ پر پوری ہمت کے ساتھ مداومت رکھیں یہاں تک کہ مذکور (جس کا ذکر کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ) کے ماسوا (سب کچھ) سینہ کی وسعت سے نکل جائے اور اس کا علمی و حبی تعلق اس (اللہ) تعالیٰ کے ماسواء سے منقطع ہو جائے کہ اگر تکلف سے (بھی) ماسواء کو یاد دلائیں تو (بھی) یاد نہ آئے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ حضورِ دل کا ملکہ (طبیعتِ ثانیہ) بن جائے جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے اس وقت فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اس کے بعد اگر محض فضل سے نفسِ حاضر (ذاتِ سالک) بھی زوال کی طرف رخ کرے اور پوری طرح فنا ہو جائے اور حضور و توجہ کی نسبت اس طرف سے منقطع ہو کر اس کے ساتھ مل جائے اور اس کا حضور اس کے ساتھ رونما ہو جائے تو فنائے نفس سے مشرف ہو جائے مصرع

این کار دولت است کنون تا کرا دہند [یہ نصیب کی بات ہے دیکھئے اب کس کو دیتے ہیں]

مکتوب ۱۱۸

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام مقامِ مشیخت کی رعایت اور اس کے بعض لوازم کے بیان میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، مکتوب مرغوب نے جو کہ آپ نے اس عرصہ میں ارسال کیا تھا موصول ہو کر مسرور کیا، حق سبحانہ وتعالیٰ (اپنے) پسندیدہ طریقے پر استقامت عنایت فرمائے اور مبارک مقصد تک پہنچنے کی رکاوٹوں سے بچائے، آپ نے لکھا تھا کہ "حکم کے مطابق طالبین کے مجمع کو ایک طرح سے مشغول رکھتا تھا اور کوئی شخص تاثیر کے بغیر نہیں رہتا تھا حتیٰ کہ ان میں سے اکثر پہلی ہی توجہ میں متاثر ہو جاتے تھے" اس پر اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ہے، اس بڑی نعمت کا شکر بجا لائیں اور عجب (خود پسندی) اور غرور سے ڈرتے رہیں اور اس امر کو جو کہ مقامِ دعوت ہے عظیم اور بزرگ جانیں اور اس کے حق کی ادائیگی سے (اپنے) قصور کا اعتراف کرتے رہیں اور طالبین کی طرف توجہات کرنے اور ان کے احوال کی جستجو میں تساہل نہ برتیں کہ یہ بہت بڑی عبادتوں میں سے ہے، اس امر سے فراغت اور اس کا حق ادا کرنے کے بعد اپنی طاقت کے مطابق دوسری طاعات مثلاً درس و اذکار میں مشغول ہوں، آپ نے یہ سُنا ہوگا: ان احب عباد اللہ الی اللہ من حبب اللہ الی عبادہ [بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے بندوں کے دلوں میں ڈال دے]۔

آپ نے طالبین کی بوالہوسی اور عدم استقامت کی کچھ شکایت کی تھی اور انھیں طریقہ سکھانے سے افسردگی کا اظہار کیا تھا۔ میرے مخدوم! اس زمانے کے اکثر طالبوں کا یہی حال ہے، طالبِ صادق کم ہیں لیکن خود استخارہ کرنے اور اس کے استخارہ کرنے اور شرح صدر حاصل ہو جانے کے بعد طریقہ سکھا دینا چاہیے اس کے بعد اگر بے استقامتی اور روگردانی کسی شخص میں ظاہر ہو کہہ دیجیے کہ جو کرے اس میں اسی کا نقصان، قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۲/۱۰۸ [آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میرا اتباع کرنے والے واضح دلیل پر ہیں، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔] ۲۶۷

مکتوب ۱۱۹

مولانا محمد امین کے نام اُن کے خط کے جواب میں جو کہ واردات پر مشتمل تھا اور آیت مبارکہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور آیہ مبارکہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ الآیہ کے درمیان توفیق دینے کی

صورت میں اور حضور نقشبندیہ اور دیگر سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادر عزیز مولانا محمد امین کا مکتوب مرغوب موصول ہو کر فرحت و مسرت کا باعث ہوا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کا ذوق و شوق و توفیق زیادہ کرے، آپ نے مہاجرت (جدائی) کے آلام کا اظہار کیا تھا۔ میرے مخدوم! دنیا دار الفراق (جدائی کی جگہ) ہے دعا کریں کہ ہم دار السلام (جنت) میں اکٹھے ہو جائیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ "ان دنوں میں نیستی (فنائیت) اور ہر لحہ اہل دنیا کے تغیر کی دید نئے سرے سے تازہ ہو گئی ہے۔" میرے مخدوم! نیستی (فنائیت) کا دیکھنا عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ فنا کا مقدمہ (ابتداء) ہے اور ہر لمحہ اہل دنیا کا تغیر سالک کے شہود سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آپ کے سامنے زبانی بیان ہو چکی ہے۔ اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ "تمام اہل جہان کو حق تعالیٰ جل وعلا کے ظہورات پاتا ہوں اور مظاہر کے غلط دکھانے والے آئینے میں ذات واحد کے سوا اور کچھ مشہود نہیں ہوتا ہے اور نہیں جانتا کہ معبود کیا ہے اور عابد کون ہے۔" میرے مخدوم! اس دید اور اس شہود کو دوسرے مشائخ کمال جانتے ہیں اور فتح الباب (دروازہ کا کھل جانا) کہتے ہیں اچھا و مبارک ہے، لیکن اس حال کے غلبہ کے وقت شرعی آداب کی پوری طرح حفاظت (رعایت) کرنی چاہئے اور بندگی کے حقوق اچھی طرح بجا لانے چاہئیں، اور یقین کرنا چاہئے کہ یہ شعبدہ صحیح ہونے کی صورت میں محبوب کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ہے کیونکہ محب (عاشق) جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے وہ محبوب (معشوق) کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ کچھ جانتا ہے اور جہاں کہیں سے لذت حاصل کرتا ہے (اس کو) محبوب کی طرف منسوب کرتا ہے اور آپ نے جو عابد و معبود کے درمیان تمیز نہ ہونا لکھا ہے یہ مقام جمع سے پیدا ہوا ہے کہ جس کو کفر حقیقی بھی کہتے ہیں جب (سالک) فرق بعد الجمع کے مقام میں پہنچتا ہے اور کفر سے اسلام حقیقی میں آجاتا ہے تو عابد کو معبود سے متمیز (ممتاز) پاتا ہے اور خلق (مخلوق) کو خالق تعالیٰ سے جدا دیکھتا ہے اور جو کچھ اوپر بیان ہوا کہ "یہ شعبدہ صحیح ہونے کی صورت میں" کیونکہ کثرت کے آئینوں میں ذات واحد تعالیٰ مشہود نہیں ہے ؎

خلق را وجہ کے نماید او　　　　در کدام آئینہ درآید او

[وہ مخلوق کو چہرہ کب دکھاتا ہے بھلا اور وہ کونسے آئینے میں آتا ہے]۔

آپ نے لکھا تھا "سبحان اللہ انا الحق اور سبحانی کہنے والے کو اہل ظواہر لعنت ملامت کرتے ہیں (برا کہتے ہیں) شاید وہ نہیں جانتے کہ غیریت کی نسبت سے کیا کھلتا ہے اور اس گرداب والوں کو کیا حاصل ہوتا ہے الخ" جان لیں کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنہوں نے کمالات کے انعکاس کے ذریعہ سے امتیاز ۲۶۸

حاصل کر لیا ہے، پس ممکنات میں کمالات مرتبہ وجوب سے مستعار و مستفاد ہوتے ہیں اور ان کی ذاتیں عدمات کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہوتیں اور جب یہ عاریت کا دیکھنا عارف پر غالب آجاتا ہے تو وہ انعکاسی کمالات کو ٹھیک اصل کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو محض عدم دیکھتا ہے اور ہستی اور اس کے توابع کی بُو اپنے اندر نہیں پاتا اس وقت وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے نہ کہ اپنے آپ کو عین حق تعالیٰ پائے کیونکہ خودی اس سے زائل ہو چکی اور انانیت کی جڑ اکھڑ چکی ہے (اس لئے) وہ اَنَا الْحَق اور اس جیسے دوسرے کلمات نہیں کہتا، معدوم کو موجودِ حقیقی کے ساتھ کیا اتحاد اور کونسی شرکت ہے، غیریت کی نفی سے مقصود خیر و کمال میں واجب تعالیٰ سبحانہٗ ممکن کی شرکت کا منتفی ہونا ہے اور یہ شرکت کی نفی اس صورت میں پورے طور پر حاصل ہے اس اشتراک کی نفی کے لئے کیا ضرورت ہے کہ ہم عینیت کے قائل ہوں اور جن چیزوں سے بچنا چاہئے ان میں مبتلا ہوں۔ ان دو آیتوں یعنی آیۂ کریمہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ [کہہ دیجئے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے] اور آیۂ کریمہ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ [جو بھی بھلائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے] کے درمیان توفیق کی صورت آپ نے دریافت کی تھی، جان لیں کہ سیئات کہ جس سے مراد اس جگہ بلیات (آزمائشیں) ہیں کا پیدا کرنا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن جزا بندے کے برے اعمال کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے عمل کی شامت (برائی) کی وجہ سے بلا و مصیبت کا مورد نازل ہونے کی جگہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا ما من مسلم يصيبه وصب ولا نصب حتى الشوكة يشاكها وحتى انقطاع شسع نعله الا بذنب وما يعفو الله اكثر [کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ جس کو کوئی بیماری یا سختی پہنچے حتیٰ کہ اس کو کانٹا لگے یا اس کی جوتی کا کوئی تسمہ ٹوٹے مگر یہ کہ وہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اکثر گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے —]۔ پس بلا (مصیبت) کی پیدائش اور اس کے پہنچنے کے اعتبار سے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور گناہوں کے کسب کے ذریعہ اس (مصیبت) کو خود پر مسلط کرنے کے اعتبار فرمایا فَمِنْ نَّفْسِكَ پس کوئی تضاد (مخالفت) نہیں ہے بخلاف حسنہ (بھلائی) کے کہ محض (اللہ تعالیٰ کا) فضل و کرم ہے، بندہ کے تمام نیک اعمال وجود کی نعمت کا بدلہ بھی ادا نہیں کر سکتے دوسری نعمتوں کو تو کیا پہنچیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا: لا يدخل الجنة احد الا برحمة الله قيل ولا انت قال عليه وعلى آله الصلوة والسلام ولا انا [جنت میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا۔ عرض کیا گیا اور کیا آپ بھی

ترجمہ: کہہ دیجئے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ترجمہ: پس تیری اپنی ذات کی طرف سے ہے۔

نہیں داخل ہوں گے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور میں بھی نہیں) اور یہ جو دنیا و آخرت کی بعض نعمتوں کو قرآن واحادیث میں بندہ کے عمل کی جزا فرمایا ہے یہ بھی فضل و کرم کی وجہ سے ہے کہ محض فضل کی وجہ سے بندے کے عمل کو اس درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے سے

چشم دارم کہ دہد اشک مرا حُسنِ قبول   آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

(اے اللہ کہ جس نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا دیا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول عطا فرمائے گا)

۲۶۹ اور نیز چونکہ وجود بالاصالت حضرت معبود تعالیٰ کے لئے خاص ہے وہ ہر خیر و کمال کا مبدأ ہے پس مبدأ حسنات وہی ذات تعالیٰ و تقدس ہے اور عدم چونکہ ممکن کی ذات ہے ہر شر و نقص کا منشا (جائے پیدائش) ہے پس سیئات (برائیوں) کا منشا ذاتِ ممکن ہوئی اور آیۂ کریمہ قل کل من عند اللہ پیدا کرنے کے اعتبار سے ہے منشا اور چیز ہے اور پیدا کرنا اور چیز ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ نباتات کا منشا (جائے پیدائش) زمین ہے اور مروارید کا منشا پانی ہے حالانکہ ان کا پیدا کرنا اُس (اللہ) تعالیٰ کی طرف سے ہے نسبتِ نقشبندیہ اور ان اکابر کے حضورِ خاص کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا، جان لیں کہ نسبتِ نقشبندیہ اور ان حضرات کا حضور ایک ایسا شہود ہے جو شاہدی و مشہودی کے وصف سے بری (پاک) ہے اور ایک ایسا حضور ہے جو حاضر اور حاضریت کی نسبت سے برتر ہے کیونکہ حیرت سے تعلق رکھتا ہے اور اس مقام میں حق سبحانہ کا شہود خود بخود ہے اور اس حضور کو حضورِ بے غیبت بھی کہتے ہیں۔ قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ اندراج النہایت فی البدایۃ (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) اس مقام میں صورت پذیر ہوتی ہے اور اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ایسا ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں اپنے پیر سے اذکار و اوراد کا اخذ کرنا ہے تاکہ اس پر عمل کرے اور مقصود کا پتہ لگائے۔ ع

قیاس کُن زگلستانِ من بہارِ مرا   (میرے گلستاں سے میری بہار کو قیاس کر)

اور نیز آپ نے مشائخ نقشبندیہ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم فضلی ہیں کیونکہ دوسروں کی نہایت (انتہا) ہماری بدایت (ابتدا) میں مندرج ہے پس ان حضرات رضی اللہ عنہم کی نہایت سے کیا مراد ہے؟ میرے مخدوم! اس معنی کا بیان ان اکابر کی کتابوں میں کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا معلوم نہیں ہے کہ (سوائے ہمارے حضرتِ عالی قدسنا اللہ بسرہ کے) کسی نے اس معما کی شرح کی ہو، کیونکہ آپ نے اس سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ مکتوباتِ شریفہ کی جلد اول کے دوسو اکیسویں[۲۲۱] مکتوب میں لکھا ہے اگر اس معنی کا شوق دامنگیر ہو تو وہاں سے مطالعہ فرمائیں اور جو واقعہ آپ نے دیکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی (قدس سرہ) تمام اولیاء سے حتیٰ کہ فلاں عزیز سے بھی افضل ہیں اور آپ نے

اس واقعہ سے ایک گونہ اضطراب ظاہر کیا ہے۔ میرے مخدوم! اضطراب کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ اس جگہ افضل انفع کے معنی میں ہو سکتا ہے اور اسی معنی میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے

سایۂ رہبر بہ است از ذکر حق [رہبر کا سایہ حق تعالیٰ کے ذکر سے بہتر ہے]

یعنی پیر کی صورت کی حفاظت کہ جس کو رابطہ کہتے ہیں مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔

اور جو واقعہ کہ آپ نے بواسیر کی انگوٹھی کے بارے میں دیکھا ہے وہ آپ نے لکھا تھا حق یہ ہے کہ فقیر بھی ۲۷ اس انگوٹھی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ حدیث شریف من علق شیئاً وکل الیہ [جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اس کے سپرد کر دیا گیا] کا مضمون آپ نے سنا ہوگا۔ آپ نے لکھا تھا کہ "نا انصاف لوگ تہمت لگاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔" میرے مخدوم! اگر آپ میں (یہ بات) نہیں ہے تو (اُن کی تہمت) آپ کے لئے کفارہ ہو جائیگی دل میں کچھ خیال نہ لائیں نعوذ باللہ من الحور بعد الکور [ہم فراخی کے بعد تنگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں] حق سبحانہ وتعالیٰ سے استقامت طلب کریں اور اس دور افتادہ کو دعاء سے فراموش نہ کریں۔

مکتوب ۱۲۰

مولانا محمد حنیف کے نام، اس کے عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا جو کہ بلند حالت اور روشن واقعہ پر مشتمل تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ برادر عزیز مولانا محمد حنیف کا مکتوب گرامی پہنچکر بہت زیادہ خوشی و مسرت کا باعث ہوا حضرت حق سبحانہ قرب کے درجات میں بے حد ترقیات عنایت فرمائے آپ نے لکھا تھا کہ "یہاں پہنچنے کے بعد ایک کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور تمام بدن میں سرایت کرتی ہے الخ" اور نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کو اس نسبت کے حاصل ہونے میں کامل دخل ہے جسقدر تلاوت کرتا ہے وہ نسبت طاقت پکڑتی ہے اور اگر تلاوت میں کچھ فتور ہوتا ہے تو اس نسبت میں بھی فتور واقع ہو جاتا ہے۔

میرے مخدوم! ہو سکتا ہے کہ اس کیفیت کا منشا (جائے پیدائش) حقیقتِ قرآنی ہو اور چونکہ آپ محبت کا رابطہ اس نسبت والوں کے ساتھ درست رکھتے ہیں اور استعداد کی جمعیت بھی رکھتے ہیں اس کیفیت اور اس قسم کی اور کیفیات کا حاصل ہونا آپ سے نزدیک ہے مختصر یہ ہے کہ مذکورہ نسبت ظلال کی نسبتوں سے اوپر ہے اور اصل الاصل کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتی ہے، آپ نے مخصوص کمالات اور ضمنی نسبت کا شوق

ظاہر کیا تھا ہو سکتا ہے کہ اس سے کچھ حصہ حاصل ہو چکا ہو، اور یہ کیفیت جو آپ نے لکھی ہے اسی کا اثر ہو۔ فقیر نے اس بارے میں غور نہیں کیا ہے امیدوار رہیں سے

ازاں طرف نہ پذیرد کمال او نقصان　　　　وزیں طرف شرفِ روزگارِ من باشد

[اس (اللہ تعالیٰ) کے کمال میں تو کوئی کمی نہیں آتی اور میرا درجہ بلند ہو جاتا ہے] آپ نے جدید مسودات طلب کئے تھے اگر توفیق پائی تو ہم ایک دوست سے کہیں گے کہ اگر اس میں سے کوئی چیز نقل کے قابل ہو تو نقل کر کے بھیج دے۔ اور یہ واقعہ جو آپ نے دیکھا تھا کہ گویا کوئی شخص اپنے منہ کا تھوک میرے منہ میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت ہے جو آنحضرت نے آپ کیلئے دی تھی میں نے پہنچا دی" نہایت جمیل اور امید دلانے والا ہے اگرچہ اس کا اثر فی الحال ظاہر نہ ہو۔ ۲۷۱

اور جو کچھ آپ نے اپنے دوستوں کے حالات میں لکھا تھا (اس نے) بہت مسرور کیا، تمام حالات موزوں اور مقبول ہیں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان (مربوط) ہیں۔ اللہ تعالیٰ ترقیات عطا فرما کر مطلب حقیقی تک پہنچائے اور چونکہ اعتکاف کے دن تھے اور ضروری کام درپیش تھے زیادہ تحریر کے ساتھ مشغول نہیں ہو سکا اور ضروری جوابات پر کفایت کی۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے] خط لکھنے کے بعد نسبت حنفیہ کے حاصل ہونے کے بارے میں قدرے غور کیا گیا کچھ واضح نہیں ہوا اگر مقدر ہے تو پھر اس بارے میں پوری طرح غور و توجہ کریگا۔ انہ المیسر لکل عسیر [بیشک وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے]

مکتوب ۱۲۱

پیرزادہ خواجہ عبید اللہ کی خدمت میں اس بارے میں تحریر فرمایا کہ سبقت (پیشقدمی) اصل کی طرف سے ہے اور ظل کسی چیز کے ساتھ مستقل نہیں ہے۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی کریم اور ان کی آل امجاد علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات الی یوم التناد کے طفیل حضرت مخدوم و مخدوم زادہ کو دیر تک دوستوں اور بھلائی چاہنے والوں کے سروں پر باقی اور قائم رکھے۔ آپ کے گرامی عنایت نامہ کے ورود سے مشرف ہوا امید ہے کہ اس فراق زدہ ناکارہ کو کبھی اپنے معطر دل کے گوشہ میں لا کر الطاف و عنایات سے نوازتے رہیں گے، اس طرف سے سراسر کوتاہی ہے معاف فرمائیں بیشک کرم کریموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مصرع

درخانہ بکدخدائی ماند ہمہ چیز [گھر میں ہر چیز مالک کی ہوتی ہے]

ابتلاء مبدا کی طرف سے اور حقیقت میں اصل کی طرف سے ہونی چاہیے، پہلے ہی سے اسی طرح ہوتا آیا ہے اور اشدِ شوق اس بارگاہ کے ساتھ منسوب ہوا ہے جو خیر و کمال کا ظل رکھتا ہے اصل سے مستفاد و مستعار ہے ظل کسی چیز میں بھی اپنے ساتھ استقلال نہیں رکھتا اگر وہ خیر و کمال کی نسبت اپنی طرف کرے تو خائن ہوگا اور اصل کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرے گا اس کے حق میں اپنے آپ سے کمال کی نفی کرنا ہی کمال ہے اور خیریت (بھلا ہونے) کے سلب (نفی) میں ہی خیریت (بھلائی) ہے جو حصہ کہ وہ اصل سے رکھتا ہے انتسابات کو اس (اصل) کی طرف لوٹانے کے بعد (ظل کے لئے) محو و لاشئے ہونا ہے جس قدر اصل کا ظہور زیادہ ہوگا اسی قدر ظل کا محو و لاشئ ہونا زیادہ ہوگا کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎ ۲۰۲

معشوق اگرچہ گشت ہمخانۂ ما ویران تر از اول ست ویرانۂ ما

[اگرچہ معشوق ہمارا ہمخانہ ہوگیا ہے لیکن ہمارا ویرانہ پہلے سے بھی زیادہ ویران ہے] ظل بیچارہ جو کہ نفی ہونے کے سوا اصل سے اور کچھ حصہ نہیں رکھتا اس کے کمال و جمال سے کیا خبر رکھتا ہوگا مگر یہ کہ عدم کے بعد پایا جائے اور ولادتِ ثانیہ کے ساتھ پیدا کیا جائے پس اس وقت (اس قابل ہو سکتا ہے، کیونکہ) بادشاہ کی بخششیں اس کی سواریاں ہی اٹھاتی ہیں ؎

ومن بعد ھذا ما یدق صفاتہ وما کتمہ احظی لدیہ واجمل

[اور اس کے بعد وہ مقام ہے جس کی صفات کا بیان بہت مشکل ہے اور وہ مقام ہے جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ مناسب بہتر ہے] بات دوسری جگہ چلی گئی، مقصود یہ ہے کہ اس طرف کی تقصیرات پر نظر نہ کرتے ہوئے غائبانہ توجہ سے فراموش نہ کریں اور اس عاصی کو دعائے خیر و سلامتی خاتمہ سے یاد فرماتے رہیں۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۲۲

مولانا محمد صدیق پشاوری کے نام ان کے احوال کی شرح اور اُن سوالات کے جوابات میں جو انھوں نے پوچھے تھے اور ان کے دوستوں کے احوال کی تحسین کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ کا پسندیدہ مکتوب پہنچا جو ترقیات و کیفیات کی استقامت اور احوال کی سنجیدگی کی خبر دینے والا تھا (اس لئے) اس کے مطالعہ نے فرحت بخشی، اللہ تعالیٰ جل وعلا کا شکر بجا لائیں اور مزید انعامات کے طالب رہیں لئن شکرتم لازیدنکم [اگر تم شکر کرو گے

تو میں ضرور تم کو اور زیادہ دونگا) آپ نے لکھا تھا کہ "خود کو دوسرے عالم میں جانتا ہے اور اس عالم کے ساتھ کوئی مناسبت (تعلق) نہیں رکھتا" اس کا منشا (جائے پیدائش) باطن کا عالمِ سفلی سے انقطاع اور عالمِ علوی کے ساتھ اس کا اتصال ہے لیکن یہ دید (مشاہدہ) عروج کے وقت میں ہے اور نزول کے وقت جبکہ ظاہر و باطن (دونوں) کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہے یہ دید مفقود ہے، اور یہ جو آپ اپنے جثہ (بدن) کو جماد کی طرح بے حس و حرکت پاتے ہیں اور ہستی کا کوئی اثر اپنے اندر نہیں سمجھتے فنا کی وجہ سے ہے اور جو آپ خود کو انوار میں گھرا ہوا دیکھتے ہیں اور نور کے دریاؤں کو اپنے اندر حلول کرتا ہوا پاتے ہیں اور نور کے اجزا میں سے ہر جزو کو اپنے اجزا جانتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بقا کی وجہ سے ہو۔

جان لیں کہ فنائے نفس میں معتبر یہ ہے کہ سالک ذوق (وجدان) کے ساتھ اپنے وجود و توابعِ وجود یعنی صفاتِ کمال کو کمالاتِ واجبی (تعالیٰ) کا ظلال پائے اور یہ دید (دیکھنا) ایسی غالب آجائے کہ ان کمالات کو پوری طرح اصل کے سپرد کر دے اور خود کو مُردہ جماد دیکھے اور انا کے ساتھ تعبیر نہ کرے، نہ اپنے اندر کوئی ذکر پائے اور نہ کوئی توجہ، تحقق (اس مقام پر پہنچنے) کے بعد اس کی توجہ اس کے ساتھ ہے اور بقا ولادتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ ہے من قتلتہ فانا دیتہ۔ [جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کا خونبہا میں خود ہوں] اس وقت عارف کو اپنے پاس سے اوصاف و اخلاق عطا فرماتے ہیں اور عارف اپنے آپ کو معروف کے اوصاف کے ساتھ زندہ اور جاننے والا اور سننے والا اور دیکھنے والا اور بولنے والا پاتا ہے۔ ۲۷۳

جاننا چاہیے کہ فنا و بقا حقیقت میں اس اسم کے ساتھ ہے جو کہ سالک کا مبدأ تعین ہے نہ کہ حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اقدس کے ساتھ، اگر فنا و استہلاک ہے اسم میں ہے اور اگر تحقق (موجود ہونا) و بقا ہے تو وہ بھی اس اسم کے اوصاف کے ساتھ ہے کیونکہ ہر اسم اسماء و صفات کا جامع ہے اور یہ بات کہ سالک بغیر اس کے انتسابات کو اصل سے جانے اور اصل کے سپرد کرے اپنے آپ کو نہ پائے اور معدوم دیکھے تو اس کو عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ فنائے جذبہ ہے کہ اس (کیفیت) سے عود (واپس لوٹنا) ممکن ہے بخلاف فنائے حقیقی کے جو کہ عود سے محفوظ ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "نماز میں تصور کرتا ہے کہ رکوع اور سجدہ کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے اور نماز کے بعد خاص کیفیت پیش آتی ہے اس طرح پر کہ باطن تمام کا تمام حلاوت اور لذت اندوزی میں چلا جاتا ہے" یہ حالت بہت ہی اچھی ہے اور حالتِ نماز کی کیفیت کو غیر نماز کی کیفیت پر بہت زیادہ فوقیت ہے جو لذت کہ نماز ادا کرنے میں خاص کر فرض نماز میں ظاہر ہوتی ہے وہ کام کی انتہا کی خبر دینے والی ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ واردات اور بلند اشارات والی بشارات کا وارد ہونا اور معارف و اسرار کا